اسلام میں

مقامِ قرآن و عترت

تالیف

آیت اللہ آقائے شیخ علی نمازی شاہرودی

ترجمہ

سید محمد حسین زیدی الباہری

مصباح القرآن ٹرسٹ

۱۰ گنگا رام بلڈنگ ○ شاہراہ قائد اعظم ○ لاہور

اسلام میں

مقامِ قرآن و عترت

تالیف

آیت اللہ آقائے شیخ علی نمازی شاہرودی

ترجمہ

سید محمد حسین زیدی الباہری

مصباح القرآن ٹرسٹ

۱۰ گنگا رام بلڈنگ ○ شاہراہِ قائدِ اعظم ○ لاہور

نام کتاب	اسلام میں مقام قرآن و عترت
مولف	آیت اللہ علی نمازی شاہرودی
مترجم	سید محمد حسین زیدی البرہروی
ناشر	مصباح القرآن ٹرسٹ
کتابت	محمد یوسف خوشنویس
مطبع	معراج الدین پرنٹرز : لاہور
ہدیہ	۳۰/۰۰ روپے

ملنے کا پتہ

قرآن سنٹر : ۲۴، الفضل مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور

باسمہٖ تعالیٰ

عرضِ ناشر

قرآن مجید — اللہ کی جانب سے آنے والی آخری کتابِ ہدایت — اپنے پہلے ہی صفحہ پر ہدایتِ انسان کا لائحۂ عمل بیان فرماتے ہُوئے واضح الفاظ میں "صراطِ مستقیم" کا ذکر کر رہی ہے جو ان لوگوں کا راستہ ہے جو پروردگار کی نعمات سے نوازے گئے، ان لوگوں کا راستہ نہیں جن پر ذاتِ رحیم وکریم اپنی رحیمی و کریمی کے باوجود غضبناک ہُوئی کہ وہ گمراہ ہو گئے تھے۔

وہ حضرات جن کو ذاتِ احدیت نے انعمت علیھم کے خطاب سے سرفراز فرمایا، ان کی جہاں بہت سی صفات آیاتِ قرآنی میں ذکر کی گئیں، وہاں حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات جناب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے بھی اپنی زبانِ وحی ترجمان سے کئی مقامات پر ان حضرات کا تعارف واضح الفاظ میں کروا دیا کہ بنی نوعِ انسان سلسلۂ نبوت کے ختم ہونے کے بعد

ایک سلسلۂ ہدایت کے زیرِ اثر منشورِ حیات کی پیروی کرے اور ایک منتشر معاشرہ میں بھٹکتی نہ پھرے۔

جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت بلیغ و فصیح الفاظ میں قرآنِ کریم کے الفاظ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون۔ (اہلِ ذکر سے سوال کرو اس کے متعلق جو تم نہیں جانتے) کی تفسیر وتشریح کرتے ہُوئے ارشاد فرمایا: "انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی ولن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض۔" میں تمھارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں، اللہ کی کتاب اور میری عترت یعنی اہلبیت۔ اگر تم ان سے متمسک رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے اور یہ دونوں ایک دُوسرے سے جُدا نہ ہوں گے، حتیٰ کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر وارد ہوں۔"

ان الفاظ میں حضورِ ختمی مرتبتؐ نے بنی نوعِ انسان کے لیے بالعموم اور مسلمانانِ عالم کے لیے بالخصوص قیامت تک کے لیے ایک منشورِ ہدایت کی نشاندہی فرما دی تاکہ اس منشور کی پیروی کر کے امتِ مرحُومہ کسی طاغوت سے دھوکا کھا کر طریقِ ہدایت سے بھٹکنے نہ پائے۔

زیرِ نظر کتاب میں جو آقائے حاج آیت اللہ شیخ علی نمازی شاہرودی، ایران، کی تالیفِ بزرگ مسمّٰی بہ "قرآن و عترت در اسلام" کا اردو ترجمہ ہے، ادارۂ مصباحُ القرآن ٹرسٹ، لاہور نے حضورِ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اپنے بعد ہدایتِ انسانی کے لیے چھوڑی ہوئی "ثقلین" کے اسلام میں مقام سے تعارف کروانے کی کاوش کی ہے۔

جنگ و جدل، فسق و فجور، نفاق و اختلاف کی ماری ہوئی آج کی دُنیا کسی ایسے ہادی کی تلاش میں ہے جو بنی نوعِ انسان کی اس کیفیت کو امن و صلح میں بدل ڈالے، کرۂ ارض کو گہوارۂ سکوُن و آشتی بنا دے، جس میں اللہ کے بندے سُکھ کا سانس لے سکیں۔

اِس کتاب میں فاضل مُؤلف نے مقامِ قرآن و عترت کو واضح کرنے کے لیے بھرپُور کوشش کی ہے تاکہ مُسلمان حبل اللہ کو مضبوطی سے پکڑ لیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے ان برگزیدہ بندوں کے اُسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر سعادتِ دارین حاصِل کریں کہ جنکا مقصدِ تخلیق اپنی معرفت قرار دیا ہے۔

اُمیدِ واثق ہے کہ ہر مکتبِ فکر کے مسلمان صراطِ مستقیم تک پہنچنے کے لیے اس پیشکش سے استفادہ کریں گے۔

ہماری استدعا ہے کہ قارئین کرام کتاب ہٰذا کا بغور مطالعہ کریں اور اپنی قیمتی آراء سے مستفید فرمائیں۔

ارکینِ مصباح القرآن ٹرسٹ

لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین کما ھو اھلہ ولا الہ غیرہ

اسلام میں قرآن و عترت کا مقام

اہلِ معرفت کی حمد و ثنا ہے، اس ذاتِ یکتا، بے نظیر، کے لئے جو خالق ذرات و خیر و برکت و کرات و ملک و ملکوت ہے، اجرا کنندہ آسمان، چرند و پرند و خزند و متحرک ہے۔ امور کائنات کا مدیر، عالم پنہاں کا مدبر، خالق زمین و آسمان، اہلِ ایمان کا معبود، انسان کا پیدا کرنے والا، بخشندۂ بنان و بیان ہے۔

درود لامحدود و سلام نامحدود ہو، آسمانِ جلالت کے آفتاب، چرخ سعادت کے مدیر، آسمانِ سیادت کے مرکز، عالم انسانیت کے مدارِ جہانِ کمال و حقیقت یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر۔

درود و سلام ہو آسمانِ امامت کے آفتاب، فلکِ ولایت کے ماہتاب اور ان بزرگوار کے گیارہ فرزندوں پر جو ستارہ گانِ درخشانِ روزگار اور پروردگارِ عالم کے آفتاب ہائے نور فشاں ہیں۔ یہ وہ بزرگ ہستیاں ہیں۔ جن کو اللہ تعالےٰ نے قرآن کے ساتھ اور قرآن کو ان کے ساتھ اس طرح اکٹھا کیا کہ یہ ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ حتیٰ کہ روزِ قیامت جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے جا ملیں گے۔ خدائے منان نے رسولِ اکرمؐ کو حکم دیا کہ ان دونوں کو لوگوں کی سعادت کی خاطر اپنا خلیفہ قرار دیں تاکہ لوگ ان دونوں کے ساتھ متمسک

ہو کر دنیا و آخرت میں سعادت حاصل کریں۔

ان دونوں کے دشمنوں پر ہزار بار لعنت کیونکہ وہ طریقِ انسانیت کے رہزن اور راہِ حقیقت کے چور ہیں۔

چونکہ دین و ایمان کے رہزن دین دار لوگوں کے اعتقادات کو ہر حیلہ اور بہانہ سے ربودن اور شبہات پیدا کرنے میں مصروف ہیں اور مومنین میں ضعیف الاعتقاد افراد ان کے جال میں پھنس کر پریشان ہیں، تو میں نے سوچا کہ اپنی ذمہ داری کو پورا کروں، جیسا کہ رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب یہ موقعہ آجائے کہ وہ چیزیں دین میں داخل ہو رہی ہوں جو دین سے خارج ہیں (یعنی حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دیا جا رہا ہو) تو ایک عالم کا فرض ہے کہ وہ علم کو ظاہر و آشکار کرے ورنہ وہ لعنت کا مستحق ہے۔ لہذا میں نے اپنے لیے فرض جانا کہ اللہ تعالےٰ کی استعانت سے شکوک و شبہات کو دور کرنے کی کوشش کروں۔ مجھے اُمید ہے کہ خداوندِ عالم برادرانِ ایمان کو دین سے گمراہ کرنے والوں کے مکر سے نجات دے گا۔

صراطِ مستقیم سے انحراف، ناہموار و غلط راہ پر پڑنا، رہزنانِ دین اور بدکردار درندوں کے جال میں آجانا، دلائلِ صحیح سے بے اعتنائی اور دلسوز رہنماؤں سے دور ہونے کی دلیل ہے۔

ریشۂ اساسِ شبہات

شکوک و شبہات کا پیدا ہونا اور ذہن کا توہمات میں گرفتار ہو جانا اُن دو عظیم رہنماؤں اور رسولِ اکرمؐ کی دو اہم یادگاروں کی پیروی نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ جن کا تعارف آنحضرتؐ نے اپنی وفات کے بعد کے زمانہ کے لیے لوگوں کو کروایا تھا۔ اس تعارف کو تمام شیعہ اور سنی مسلمانوں نے اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے جو "حدیثِ ثقلین" کے نام سے مشہور ہے۔ اس موضوع پر ان حضرات علماء نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔

حضور سرورِ کائناتؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں دو وزن دار اور عظیم چیزیں تمہارے یعنی امت کے درمیان چھوڑ رہا ہوں۔ یہ اللہ کی کتاب اور میری عترت ہیں۔ جب تک تم ان دونوں سے متمسک رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گی حتیٰ کہ روزِ قیامت میرے پاس حوضِ کوثر پر وارد ہو جائیں گی۔[۱]

---

[۱] رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: "انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی ابدا الخ..." اس حدیث کو علامہ مجلسی نے اپنی کتاب بحارالانوار طبع کمپانی، جلد ۷ صفحہ ۲۲-۳۴ پر باب "اخبار الثقلین" میں شیعوں کی معتبر کتب اور اہل سنت کی صحاح و دیگر کتب سے ایک سو سے زیادہ راویوں سے نقل فرمایا ہے۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

تاہم مفسد اور گمراہ کرنے والے لوگ نہ تو قرآن ہی سے واقف ہیں
اور نہ ہی عترتِ رسولؐ کے مقامِ مقدس کی طرف متوجہ ہیں۔
چونکہ تمام کمالات کی بنیاد اور تمام معارف و درجاتِ عالیہ تک

(بقیہ حاشیہ) اس کے علاوہ بحار جلد ۶ صفحہ ۷۸۰، جلد ۸ صفحہ ۱۳۰، جلد ۹ صفحہ ۱۵۱-۲۱۹، جلد ۱۰ صفحہ ۲۷۲- نیز کتاب ایمان صفحہ ۱۰۸ و جلد ۱۷ صفحہ ۶۷ میں اس کی بہت سی روایات ہیں۔ سفینۃ البحار میں بھی اس کا ذکر ہے اور اس حقیر نے بھی مستدرک سفینہ جلد ۱ میں لفظ "ثقل" کے معانی اور دیگر موضوعات کے تحت اس حدیث شریف کو نقل کیا ہے۔

سید ابنِ طاؤس نے کتاب "طرائف" میں بہت سے علمائے اہلِ سنت سے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ انہیں میں کتاب مسند احمد بن حنبل کی (جو اہلِ سنت کے چار اماموں میں سے ایک ہیں) چند روایات، صحیح مسلم سے چند روایات، کتاب ابن مغازی شافعی سے چند روایات وغیرہ، اور دیگر کتب جن کی تفصیل کی اس مختصر رسالہ میں گنجائش نہیں، شامل ہیں۔ ابنِ اثیر نے جو علمائے اہلِ سنت سے ہیں، اپنی کتاب "جامع الاصول" میں اس سلسلہ میں چند روایات درج کی ہیں۔ حقیر راقم نے یہ روایات اس کتاب میں مکہ معظمہ میں دیکھیں۔ پھر سید بن طاؤس نے "تفسیر ثعلبی" سے آیۂ شریفہ "واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً" کی تفسیر میں کئی اسناد سے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ حدیث حمیدی سے کتاب "جمع بین الصحیحین" میں بھی چند طریق سے پیغمبر سے وارد ہوئی ہے۔

علمائے اہلِ سنت میں فیروز آبادی نے قاموس میں "ثقل" کے معنی کے بیان میں اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

ابن اثیر نے کتاب "نہایت" میں "عترو ثقل" کی لغت (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

رسائی کا ذریعہ اللہ تعالےٰ کی کتاب اور آنحضرتؐ کی عترتِ طاہرہ کی معرفت ہے۔ ہم اپنی بحث کو دو موضوعات میں تقسیم کریں گے اور دونوں کی تشریح کریں گے۔

(بقیہ حاشیہ) کے تحت اس حدیث کو لکھا ہے۔ لفظ "ثقل" کے معنی میں وہ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے کتاب و عترت کو "ثقلین" اس لئے کہا ہے کہ ان دونوں کی پیروی اور ان دونوں کے حکم کے مطابق عمل نہایت ضروری و لازمی ہے۔ پھر یہ کہ ہر نفیس و قیمتی چیز کو "ثقل" کہتے ہیں (اس کی جمع اثقال ہے) لہذا آنحضرتؐ نے ان دونوں کا نام ثقل رکھا تاکہ ان دونوں کی قدر و مقام و شان امت کے درمیان بزرگ ظاہر ہو اور ان کی اہمیت معلوم ہو۔ عترتِ پیغمبرؐ سے مراد حضرات فاطمہ زہراؑ و علیؑ اور اُن کی اولاد معصوم ہے۔ بحار الانوار مطبوعہ کمپانی جلد ۷، بابِ معنیٔ عترت میں ایسی روایات درج ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آئمہ نے فرمایا ہے کہ عترت سے مراد حضرات فاطمہ زہرا، علی مرتضےٰ، حسن اور حسین علیہم السلام ہیں (جن کی پاکیزگی کی شہادت اللہ تعالیٰ نے آیۂ تطہیر میں فرمائی ہے جس پر عام و خاص کا اتفاق ہے) نیز امام حسین علیہ السلام کے فرزندانِ پاک میں سے نو امام اس میں شامل ہیں۔ جن میں نویں فرد حضرت بارھویں امام آخر الزمان علیہ السلام ہیں۔

علمائے اہل سنت میں فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں سورۂ مبارکہ "الرحمٰن" کی آیت "سنفرغ لکم ایها الثقلان" آیۂ اعتصام (واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا) اور آیۂ مودت کی تفسیر کے ضمن میں اس حدیث شریف کا ذکر فرمایا ہے۔

عالم جلیل محمد قوام وشنوی نے اپنی کتاب "حدیث ثقلین" (مطبوعہ مصر ۱۳۷۴ھ) میں الفاظ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

پہلی بحث قرآن پاک کی معرفت وواقفیت سے متعلق ہے اور دوسری کا تعلق معرفتِ عترتِ معصومین سے ہے جو رسولِ معظمؐ کے بارہ[۱۲] جانشین ہیں جن کو حدیث ثقلین میں عدلِ قرآن کریم کا مقام دیا گیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ) ہے کہ اس حدیث کو تمام مذاہب کے علماء (قدماء و متاخرین) نے اپنی اپنی کتب میں نقل کیا ہے۔ مثال کے طور پر کتب صحاح (صحیح مسلم وغیرہ) و سنن و سانید و تفاسیر و تواریخ و لغت وغیرہ میں اس کا ذکر ہے۔ جن کی مختصر تفصیل یہ ہے۔

ا۔ صحیح مسلم، جزو ہفتم، ص ۱۲۲؛

ب۔ سنن ترمذی، جزو دوم، ص ۳۰۷؛

ج۔ سنن دارمی، جزو دوم، ص ۴۳۲؛

د۔ مسند احمد بن حنبل، جزو سوم، ص ۱۴، ۱۷، ۲۶، ۵۹؛

ہ۔ جزو چہارم، ص ۳۶۶، ۳۷۱؛

و۔ جزو پنجم، ص ۱۸۲، ۱۸۹؛

ز۔ خصائص نسائی، ص ۳۰؛

ح۔ مستدرک حاکم، جزو سوم، ص ۱۰۹، ۱۴۸، ۵۳۳؛

یہ حدیث ان کتب کے علاوہ بھی بہت سی کتابوں میں مذکور ہے "صواعق محرقہ" میں ابن حجر نے لکھا ہے کہ حدیث تمسک ثقلین کو بیس[۲۰] سے زیادہ اصحاب پیغمبر نے نقل کیا ہے۔ کتاب طبقات میں تو پیغمبرؐ اسلام سے لے کر تیرھویں صدی تک جتنے علماء نے اس کا ذکر کیا ہے سب کے نام مذکور ہیں۔

علامہ بروجردی نے اپنی کتاب "جامع الاحادیث" میں صفحہ ۲۸-۴۹ پر اس حدیث کے مدارک کو کتب عامہ و خاصہ پانچ سو[۵۰۰] سے زیادہ لوگوں سے نقل کیا ہے جن میں تقریباً چار سو[۴۰۰] علمائے اہلِ سنت ہیں۔

○

مبحث اوّل

کی چند فصلیں ہیں، جن کی تفصیل آئندہ
صفحات میں ہے

○

پہلی فصل

پیشوایانِ دین کے نظریات کے مطابق معرفتِ قرآن

قرآنِ پاک کی مندرجہ ذیل آیاتِ مبارکہ ملاحظہ ہوں:

۱۔ قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین (مائدہ: ۱۵)
یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے نور اور کتابِ واضح آئے۔

۲۔ شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدی للناس (بقرہ ۱۸۵)
ماہِ رمضان وُہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے۔

۳۔ ھٰذا بیان للناس وھدًی وموعظۃ للمتقین (آلِ عمران ۱۳۸)
یہ قرآن لوگوں کے لئے بیان اور متقیوں کے لئے ہدایت و موعظہ ہے۔

۴۔ یا ایھا الناس قد جاءکم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نوراً مبیناً۔ (النساء: ۱۷۴)
اے لوگو! تمہارے پروردگار کی جانب سے تمہارے پاس (یہ کتاب) دلیل بن کر آئی۔ اور ہم نے تمہاری طرف نور واضح (بھی) بھیجا۔

۵۔ ما فرطنا فی الکتاب من شیء۔ (الانعام: ۳۸)
ہم نے قرآن میں کسی چیز کو مخفی نہیں رکھا۔

۶۔ یا ایھا الناس قد جاءتکم موعظۃ من ربکم وشفاء لما فی

الصدور وھدًی ورحمۃ للمومنین (یونس : ۵۷)
اے لوگو تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری طرف موعظہ (قرآن) آیا ہے۔ یہ امراض کے لئے شفاء اور مومنین کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔

۷۔ ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیئٍ وھدی ورحمۃ وبشری للمسلمین (النحل : ۸۹)
اور ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی جس میں ہر شے کا بیان ہے اور یہ مسلمانوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔

۸۔ ذالک ھدی اللہ یھدی بہ من یشاء (الزمر : ۲۳)
یہ ہے ہدایت و رہنمائی اللہ کی طرف سے۔ اللہ تعالےٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت فرماتا ہے۔

۹۔ ھٰذا ھدًی (الجاثیہ : ۱۱)
یہ (قرآن) ہدایت ہے۔

۱۰۔ فمن اتبع ھدای فلا یضل ولا یشقٰی (طٰہٰ : ۱۲۳)
پس جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا کبھی گمراہ و بدبخت نہ ہوگا۔

۱۱۔ وانہ لقرآن کریم فی کتاب مکنون (الواقعہ)
بے شک قرآن کریم پوشیدہ کتاب میں ہے۔
بے شک قرآن کریم پوشیدہ کتاب کے اندر ہے جس کو پاک لوگوں کے سوا کوئی نہیں چھوتا۔ ممکن ہے کلمہ "لا یمسہ" صیغہ نہی ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کسی کو سوائے پاکیزہ لوگوں کے قرآن کو چھونا ہی نہ چاہیے۔ بصورت دیگر ممکن ہے یہ کلمہ نفی ہو۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اس کو کوئی مس ہی نہیں کرتا یعنی سوائے پاک و پاکیزہ ہستیوں کے علوم قرآن کو کوئی سمجھتا ہی نہیں۔

معرفتِ قرآن کے بارے میں بحار الانوار مطبوعہ کمپانی، جلد ۱۹، کتاب القرآن، باب اول میں بہت سی آیاتِ مبارکہ کو نقل کیا گیا ہے۔ جن میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کو نور، حکمت، موعظہ، شفا، رحمت، ذکر، ہدایت برہان، تذکرہ، میزان، فرقانِ مبین، حق و باطل اور بشر کے مابین قولِ فیصل کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔

نیز آئمہ علیہم السلام نے معرفتِ قرآن کے باب میں ارشاد فرمایا ہے کہ قرآن گمراہوں کے لئے رہنما، نادانوں کے لئے دانش اور نابیناؤں کے لئے بینش ہے۔ یہ جاہلوں کی جہالت کی تاریکی کو دور کرنے کے لئے نور ہے۔ مومنین کے لئے ہلاکت کے خلاف محافظ ہے۔ راہِ ہدایت کے لئے چراغِ روشن ہے۔ جو شخص نورانیتِ قرآن سے استفادہ کرنا چاہتا ہے، پروردگارِ عالم اس کے دل و جان کو منور فرما دیتا ہے جو شخص قرآن کو اپنا پیشوا قرار دیتا ہے اس کے احکام کے تابع ہو جاتا ہے اور اس کو ہر چیز پر مقدم رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو سعادت عطا فرماتا ہے اور اسے جنت میں جگہ مرحمت فرماتا ہے۔ جو شخص قرآن کی پیروی سے منحرف ہو جائے۔ اس سے منہ موڑ لے اور علم و حکمت و ہدایت اس کے غیر سے مانگنے لگے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کی ہدایت نہیں کرتا۔ قرآن کے ظاہر و باطن ہیں اس کے باطن کے لئے پھر ایک ظاہر و باطن ہے (حتیٰ کہ قرآن کے ستر بطن و باطن ہیں) قرآن کے علوم و عجائب و غرائب شمار میں نہیں آسکتے۔ یہ ماضی و مستقبل دونوں کی خبر دیتا ہے۔[1]

امام علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: "یہ قرآن خود نہیں بولتا۔ تم جو بھی پوچھنا چاہو مجھ سے پوچھو تاکہ میں تمہیں قرآن سے اس کی خبر دوں۔"

---

[1] یہ روایات "کافی" کے باب فضل قرآن میں ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "کوئی بھی ایسی بات نہیں ہو سکتی جس میں دو شخص اختلاف کر رہے ہوں مگر یہ کہ اللہ کی کتاب (قرآن) میں اس کے لئے اصل و اساس و حکم ہوتا ہے، لیکن لوگوں کی عقلوں کی وہاں تک رسائی نہیں ہوتی"۔[1]

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "قرآن میں ماضی و مستقبل و حال کی اخبار موجود ہیں۔ اُن باتوں کے متعلق احکام ہیں، جن میں تم اختلاف کرتے ہو۔ اور ان سب کو ہم جانتے ہیں"۔[2]

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں: "اگر تم اس قرآن سے سوال کرو تو یہ ہرگز تمہیں جواب نہ دے گا۔ لیکن میں تمہیں بتاتا ہوں کہ ماضی اور روز قیامت تک مستقبل کے حالات اس میں موجود ہیں۔ اگر مجھ سے سوال کرو تو میں تمہیں ان کی تعلیم دوں گا"۔[3]

یقیناً قرآن مجید لوگوں کے درمیان اختلاف کو دُور کرنے کے لئے نازل ہوا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: "وما انزلنا علیك الکتاب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ"۔ یعنی ہم نے یہ کتاب آپ پر نازل نہیں فرمائی مگر اس لئے کہ آپ اُن کو وہ بات بتائیں جس میں یہ اختلاف کرتے ہیں۔[4] انسانوں کے لئے حق کو باطل سے جُدا فرمائیں۔ پس نبوت کے فرائض

---

[1] کتاب "کافی" باب رد میں (یعنی کتاب و سنت کی بحث) یہ روایت نقل کی گئی ہے۔

[2] یہ روایت بھی "کافی" باب رد میں موجود ہے۔

[3] "کافی" کے اسی باب میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا قول درج ہے جو آپ نے بعثت رسولؐ اور قرآن کے متعلق فرمایا۔

[4] سورہ نحل، آیہ ۶۴

میں ایک فرض اختلاف کا رفع کرنا ہے۔ لیکن قرآن نے تنہا نہ تو لوگوں کے درمیان اختلاف رفع کیا ہے اور نہ کر سکے گا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف رہا ہے اور رہے گا۔[۱]

لہٰذا اگر لوگ مفسرینِ قرآن کی طرف رجوع کرتے، وہ مفسرین جن کو خداوندِ عالم نے علمِ قرآن مرحمت فرمایا ہے اور جن کا تعارف آنحضرتؐ نے کروایا ہے، تو اختلاف دور ہو جاتا کیونکہ آنحضرتؐ نے رفع اختلاف کا فرض کما حقہ ادا کیا اور تبلیغ رسالت میں ہرگز کوتاہی نہیں فرمائی۔

ایک خاص نکتہ جس کا یہاں ہمیں ذکر کرنا چاہتے۔ وہ یہ ہے کہ اس آیۂ شریفہ میں کلمۂ "لتبین" صیغۂ خطاب ہے۔ اور واضح ہے کہ آیۂ کریمہ میں مامورِ بیانِ اختلاف مخاطب ہی ہے۔ پس رفعِ اختلاف اقدارِ رسولؐ میں سے ہے جو اس خطاب کے مخاطب ہیں نہ کہ مراتب کتاب سے۔ یہ صیغۂ غائب نہیں کہ بیانِ اختلاف مراتبِ کتاب سے قرار پائے۔ لہٰذا رفع اختلاف کتاب سے متعلق نہیں کہ وہ باعثِ رفعِ اختلاف ہو۔ قرآن کا ظاہر تو یہ ہے کہ اس کے نزول کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اگر پیغمبرؐ سے رفعِ اختلاف مقصود نہ ہوتا۔ لہٰذا رفعِ اختلاف

---

[۱] اگر قرآن اکیلا کشفِ حقائق اور رفع اختلاف کے بلئے کافی ہوتا تو زمانۂ پیغمبرؐ میں بھی کافی ہوتا اور لوگ آپؐ کی طرف رجوع کرنے کے محتاج نہ ہوتے لیکن یہ امر واضح ہے کہ مسلمانوں کو یہ حق نہ تھا کہ کشفِ حقائق اور علومِ قرآن کے لئے آنحضرتؐ کی طرف رجوع نہ کریں۔ بلکہ یہ ضروری ہے کہ وہ مفسرِ قرآن کی طرف رجوع کریں جو خود ذاتِ پیغمبرؐ ہے اور ان کے بعد ان کے نائب کی طرف متوجہ ہوں جو آپ کی عترتِ طاہرہ ہیں اور حدیث ثقلین کے مطابق وہ قرآن کے مفسر ہیں۔

کا فرض صرف پیغمبر سے مخصوص ہے یا اُس کا فرض ہے جس کو خدا اور پیغمبرؐ اپنا نائب قائم مقام مقرر کریں اور اسے نفس پیغمبر سمجھا جاسکے۔ اس ہستی کو امام علیہ السلام کہتے ہیں۔)

دوسری فصل

جانشینی رسالت کا حصار

بارہ امام جو جانشین رسالت، قائم مقام نبوت اور جانشینِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں تمام علومِ قرآن کے عالم ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "میں رسولِ خُدا کا فرزند ہوں۔ میں کتاب خدا کو ابتدا سے انتہا تک جانتا ہوں۔ کتاب خدا میں زمانۂ ماضی اور روزِ قیامت تک کے مستقبل کے حالات، آسمانوں، زمین، بہشت اور دوزخ کے تمام حالات ہیں اور میں ان سب علوم کو اس طرح جانتا ہوں جس طرح میرے ہاتھ کی ہتھیلی میرے سامنے ہے کیونکہ خداوند عالم قرآن کے متعلق فرماتا ہے: "فیہ تبیان کل شیئ" یعنی قرآن میں ہر شے کا بیان ہے۔[1]

حضرت نے یہ بھی فرمایا "میں جانتا ہوں جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ میں جانتا ہوں جو کچھ بہشت اور جہنم میں ہے جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے اور جو کچھ آخرت میں ہے"۔ اس کے بعد تھوڑا تامل فرمایا۔ جب محسوس کیا کہ سامعین کے لئے آپ کے مطالب بزرگ و مشکل ہیں تو فرمایا: "میں یہ سب کچھ اللہ کی کتاب سے جانتا ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ فرماتا

---

[1] کتاب شریف کافی میں یہ حدیث کئی اسناد اور طریق صحیح سے حضرت امام علیہ السلام سے منقول ہے۔

ہے کہ اس میں ہر شے کا بیان ہے "[۱]

---

[۱] کتاب کافی کی کتاب عقل، باب ردیعنی کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنے کی بحث میں یہ روایت نقل کی گئی ہے۔ اسی طرح کافی کے باب " تمام قرآن اور اس کے علوم اماماں کے علاوہ کسی کے پاس نہیں " میں اس روایت کو کچھ اور روایات کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ انہی روایات میں ارشاد ہوا ہے کہ آیہ شریفہ " من عندہ علم الکتاب " سے مراد یہ ہے کہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے وہ امام ہی ہیں۔ کافی ہی میں باب " امام جانتے ہیں۔ جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے اور کوئی امر اُن پر مخفی نہیں " امام جعفر صادق علیہ السلام کے تمام اصحاب نے یہ روایت نقل کی ہے۔ یہی روایت بحار کے باب " یہ کہ علم آسمان و زمین ائمہ سے مخفی نہیں " میں بھی نقل ہوئی ہے۔ اسی روایت کو عالم جلیل ابن شہر آشوب نے کتاب مناقب میں بکیر بن اعین کے ذریعہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے۔

کتاب بصائر الدرجات مؤلفہ جناب جلیل القدر ثقہ محمد بن الحسن الصفار نے جو براتفاق علماء و دانشمندان جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے بزرگ اصحاب سے ہیں اور جن کے ثقہ و جلیل عالم ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، پانچ احادیث اسی سلسلہ میں امام علیہ السلام سے نقل کی ہیں جن تمام احادیث میں آیہ مذکورہ اور آیہ مبارکہ " ونزلنا علیک الکتاب تبیاناً لکل شیئ " ہی سے استدلال فرمایا ہے۔

کتاب بصائر طبع دوم، جزو چہارم کے اس باب میں کہ " قرآن کے جملہ علوم ائمہ کے پاس ہیں " اس موضوع کے ثبوت میں سات روایات نقل ہوئی ہیں۔ پھر صفحہ ۱۹۴ کے باب بعنوان " قرآن کا علم تفسیر و تاویل صرف ائمہ ہی کے پاس ہے " میں اسی سلسلہ میں دس روایات منقول ہیں۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

قرآن کتاب مبین صامت یعنی خاموش (ساکت) ہے اور اس میں

(بقیہ حاشیہ) صفحہ ۱۹۷ پر چار روایات اسی مطلب کے ثبوت میں تحریر کی ہیں۔ باب، کا عنوان ہے کہ "امیرالمومنین اور آئمہ علیہم السلام ہر اس چیز کا علم رکھتے ہیں جو رسولِ اکرمؐ پر رات یا دن، سفر یا حضر میں نازل ہوئی"
جلیل القدر اور ثقہ احمد برقی نے جو امام جواد اور امام ہادی علیہما السلام کے بزرگ اصحاب سے ہیں، کتاب "محاسن" جلد اول، صفحہ ۲۶۷ پر ایسی دس روایات کا ذکر کیا ہے جو سب کی سب اس امر کی دلیل ہیں کہ ہر چیز کا بیان، زمین و آسمان کی خبریں، ماضی و مستقبل کے حالات، سب قرآن کریم میں جمع ہیں۔
پھر حضرت امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کتاب خدا میں کوئی چیز ایسی نہیں جس کے لئے اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہدایت کی خاطر کوئی رہنمائے ناطق معین نہ ہُوا ہو جس کو قرآن کا معلم و مفسر و عالم ہونا چاہیئے، وہی امام ہوتا ہے۔
امام جعفر صادق علیہ السلام حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ لوگوں کے قلوب سے کوئی چیز اتنی دور نہیں جتنا کہ تفسیرِ قرآن ہے۔ یہ اس لئے ہے تاکہ لوگ اُس راہ کو اختیار کریں، جسے اللہ تعالیٰ نے معین فرمایا ہے۔ ان ہستیوں کا حکم مانیں جن کا وجود قرآن کے قیام و بقا اور اس کے علوم کی تفسیر کے لئے خلق ہُوا ہے ان برگزیدہ لوگوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں، جس چیز کو نہیں جانتے وہ اُن سے پوچھیں اور اپنے قیاس کے تابع نہ ہوں۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم" سورۂ نساء آیہ ۸۳۔ یعنی اگر لوگ رسول اور صاحبانِ امر (بارہ آئمہ) کی طرف رجوع کریں جو علوم قرآن کا استنباط (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

ماضی و مستقبل کے تمام علوم رکھے گئے ہیں۔ ان علوم کے عالم حضرت

(بقیہ حاشیہ) کرتے ہیں، تو وہ اسے (قرآن کو) سمجھ جائیں۔ واضح اور معتبر روایات کے مطابق صاحبانِ امر اور اہل استنباطِ علوم قرآن صرف آئمہ ہیں جو پیغمبرؐ کے جانشین ہیں۔ ان کے علاوہ ان امور سے کوئی واقف نہیں (اس لئے کہ عام لوگ رجوع بہ قرآن کی قابلیت نہیں رکھتے) کہ سب لوگ صاحبانِ امر، دین میں با اختیار اور اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے مبلغ بن سکیں اس لئے خداوند متعال نے ایک مخصوص جماعت کو صاحبانِ امر اپنے دین میں با اختیار اور اپنے اوامر و نواہی کے مبلغ مقرر فرمایا اور دوسرے لوگوں کو حکم دیا کہ ان کے تابع فرمان رہیں۔ امام نے مزید فرمایا کہ لوگ علم قرآن میں ہرگز اس طرح ہمارے شریک نہیں۔ جس طرح دوسری باتوں میں ہیں۔

عالم جلیل و ثقہ صفار نے کتاب "بصائر" کے چوتھے جزو، باب دہم میں سند صحیح کے ساتھ برید کے ذریعہ امام محمد باقر علیہ السلام آیہ مبارکہ "وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم" (آل عمران ۷) یعنی تاویل قرآن سے کوئی واقف نہیں سوائے اللہ اور ان کے جو علم میں راسخ ہیں۔ کی تفسیر میں کہا ہے کہ حضرت نے فرمایا: حضرت رسولِ خدا راسخین میں افضل ترین ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے تاویل و تنزیل کے سلسلہ میں جو کچھ بھی آنحضرتؐ پر نازل فرمایا اس کی آپ کو تعلیم دی اور جس چیز کی تاویل آپ کو تعلیم نہیں کی اسے آپ پر نازل ہی نہیں فرمایا اور آنحضرتؐ کے اوصیاء یہ سب کچھ جانتے ہیں ۔۔۔ الخ اس روایت کو دوسرے طریق سے بھی نقل کیا گیا ہے۔ یہ روایت کتاب کافی میں بھی درج ہے۔ قمی اور عیاشی نے بھی اپنی تفاسیر میں سند صحیح کے ساتھ اس روایت کو برید سے نقل کیا ہے۔

صفار نے اس سلسلہ میں آٹھ روایات کا ذکر کیا ہے کہ اس آیت میں راسخین در علم سے بارہ امام صلوات اللہ علیہم مراد ہیں۔ جو پورے قرآن کی تاویل کو جانتے ہیں۔

رسولِ مکرمؐ اور آپ کے بارہ جانشین ہیں۔ اس موضوع کی وضاحت کے

(بقیہ حاشیہ) کافی میں اس باب میں کہ "آئمہ ہی راسخین در علم ہیں" اس موضوع کے ثبوت کے لئے تین روایات پر اور عیاشی نے چار پر اکتفا کیا ہے۔

اہلِ تشیع کی تمام معتبر تفاسیر میں مثلاً تفسیر برہان میں چودہ احادیث اور تفسیر نور الثقلین میں بارہ احادیث اس بات کے ثبوت میں پیش کی گئی ہیں کہ اس آیۂ شریفہ میں راسخون فی العلم سے مراد محمد و آلِ محمد علیہم السلام ہیں علامہ مجلسی نے بحار الانوار طبع کمپانی، ج ۷ ص ۳۰-۱۴، ج ۱۹ کتاب قرآن ص ۲۲-۲۶ اور طبع جدید ج ۱۷، ص ۱۷۰، ج ۲۲ ص ۱۸۸ میں چوّن احادیث نقل کی ہیں۔ دیگر علماء نے بھی اس موضوع پر بہت سی روایات کا ذکر کیا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ آیۂ مبارکہ میں صاحبانِ امر، جن کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے، آئمہ اثنا و عشر ہیں، تو اس کے لئے بے شمار روایات میں اتفاق ہے۔ ان میں ملاحظہ فرمائیں۔

ا۔ تفسیر برہان طبع اول، سورۂ نساء، صفحہ ۲۲۴-۲۲۸، ۲۲۴، ۲۲۵۔

ب۔ تفسیر نور الثقلین، ج ۱ صفحہ ۴۱۲-۴۲۱، ۴۳۲، ۴۳۳۔

ج۔ بحار کمپانی، ج ۷، صفحہ ۵۹-۶۲۔

د۔ ؍ طبع جدید، ج ۲۳، صفحہ ۲۸۴-۳۰۲۔

ان مطبوعات کی طرف رجوع کیا جائے۔

انہی روایات میں تصریح کی گئی ہے کہ علومِ قرآن کے اہلِ استنباط آئمہ ہدیٰ ہیں۔ مبحث دوم کی روایات میں آئے گا کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تمام انبیاءؑ و مرسلین کے علوم کے وارث ہیں۔ آنحضرتؐ کو وہ کچھ دیا گیا جو دوسروں کو نہیں دیا گیا۔ اور آنحضرتؐ کے تمام علوم آئمہ اثنا عشر کو بطور ورثہ ملے۔

لئے ہم ذیل میں آیاتِ قرآن کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ الرٰ ۃ تلک آیات الکتاب المبین ہ انا انزلنٰہ قرآنا عربیاً لعلکم تعقلون۔ (یوسف) اے رسول! (کیونکہ الرٰ، المٓ، المرا اور تمام حروف مقطعات جو بعد میں قرآن یا کتاب کے اسمار کے طور پہ درج ہوگئے۔ ہمارے پیغمبر کے اسمار میں سے ہیں، چنانچہ امام زین العابدین علیہ السلام نے دعائے عید الفطر میں فرمایا ہے اور اس کا ذکر ہم نے بھی مستدرک سفینہ میں الرٰ وغیرہ کا ذکر کیا ہے) یہ ہیں کتاب واضح کی آیات۔ ہم نے ان کو قرآن میں عربی میں نازل کیا تاکہ تم انھیں سمجھ سکو۔

۲۔ حٰمٓ و الکتاب المبین ہ اناجعلنٰہ قرآناً عربیا لعلکم تعقلون (زخرف) اے رسولؐ کتابِ مبین کی قسم ہم نے قرآن کو عربی میں قرار دیا کہ آپ سمجھ سکیں۔

ان دو آیات کی بنا پر کتابِ مبین یہی عربی قرآن ہے۔

سورۂ شعرار و قصص کے شروع میں ارشاد ہوتا ہے: "تلک آیات الکتاب المبین" (یہ ہیں آیات کتاب مبین) سورۂ نمل کے شروع میں ہے "یہ ہیں آیات قرآن و کتابِ مبین" سورۂ حجر کے شروع میں بھی آیاتِ کتاب و قرآن مبین ہے۔ حٰمٓ دخان شروع ہوتی ہے "حٰمٓ و الکتاب المبین ہ انا انزلنٰہ فی لیلۃ مبارکۃ" اے رسولؐ! کتاب مبین کی قسم ہم نے اسے شب مبارک (شب قدر) میں نازل فرمایا پھر سورۂ مائدہ آیہ ۱۵ میں فرماتا ہے: "قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین" آپ کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے کتاب اور نور مبین نازل ہوئے۔ اسی طرح ملاحظہ کیجیے:

(د) پھر کتاب مبین کے تعارف کے طور پر فرمایا "ونزلنا علیک الکتاب تبیاناً لکل شیئٍ" (سورہ نحل ۸۹)۔ یعنی، ہم نے آپ پر کتاب

نازل کی ہے جس میں ہر چیز کا بیان ہے۔

(ب) "ما فرطنا فی الکتاب من شیئ" (سورہ انعام/۳۸) ہم نے کسی چیز کو کتاب (قرآن) میں مخفی نہیں رکھا۔

(ج) "وما من غائبۃ فی السماء والارض الا فی کتاب مبین"۔ سورہ نمل (۷۵) کوئی پوشیدہ یا ظاہر چیز آسمان و زمین ایسی نہیں مگر یہ کہ وہ کتاب مبین میں موجود ہے۔

(د) "ولا حبۃ فی ظلمت الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین" (سورہ انعام/۵۹) کوئی دانہ زمین کی تاریکیوں میں اور کوئی تر و خشک چیز ایسی نہیں مگر یہ کہ کتاب مبین میں ہے۔ اسی طرح سورہ سبا، آیت ۳ اور سورہ یونس آیت ۶۲ میں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ کوئی بھی چھوٹی سے چھوٹی یا بڑی سے بڑی چیز ایسی نہیں مگر یہ کہ اس کا علم کتاب مبین میں ہے۔

(ہ) "وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا و یعلم مستقرھا و مستودعھا کل فی کتاب مبین" (سورہ ہود/۶) اور کوئی متحرک چیز زمین پر ایسی نہیں مگر یہ کہ اس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور خدا اس کی دائمی اور عارضی قرارگاہ کو جانتا ہے اور یہ سب کچھ کتاب مبین میں موجود ہے۔

ان آیاتِ شریفہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ تمام اشیاء کے احوال و آثار و کیفیات و مقادیر سب کتابِ مبینِ صامت (ساکت) یعنی اسی قرآن میں محفوظ و مضبوط ہیں۔

پھر اس امر کی وضاحت کے لئے کہ یہ سب علوم ہر شخص کی دسترس میں نہیں بلکہ ان کے علم کے لئے مخصوص اشخاص (اللہ کی طرف سے) معین ہیں۔ سورہ رعد کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے: "قل کفی باللہ شھیداً بینی و

بینکم ومن عندہٗ علم الکتاب" یعنی (اے رسول) کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لئے کافی ہے اللہ اور وُہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔ یعنی اللہ کی گواہی اور اس شخص کی گواہی جس کے پاس کتاب کا علم ہے ہمارے لئے کافی ہو گی۔ اور وہ شخص (حاملِ علمِ کتاب) حضرت علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام ہیں لہ

لہ عالم ثقہ وجلیل القدر علی بن ابراہیم قمی، جن کی وثاقت وجلالت پر سب متفق ہیں اور جو شیخ کلینی کے استاد ہیں، اپنی تفسیر میں سورۂ رعد کے آخر میں اپنی تفسیر میں سندِ صحیح کے ساتھ ابن اذینہ کے حوالہ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا" الذی عندہٗ علم الکتاب" یعنی وُہ شخص جس کے پاس علمِ کتاب ہے ذاتِ امیرالمومنین علیہ السلام ہے حضرت سے سوال کیا گیا کہ وہ شخص جس کے پاس کتاب کا کچھ علم ہے، یعنی آصف برخیا، وصیِ حضرت سلیمان علیہ السلام، زیادہ عالم ہے یا وہ شخص جس کے پاس پوری کتاب کا کتاب کا علم ہے۔ ارشاد فرمایا کہ اس شخص کا علم جو کتاب کا تھوڑا سا علم رکھتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں جو پوری کی پوری کتاب کا عالم ہے۔ اس سے زیادہ نہیں جتنا کہ ایک مچھر اپنے چھوٹے سے پَر کے اوپر دریا سے پانی اٹھا سکتا ہو۔ (یعنی اس قلیل قطرۂ آب کو جو نسبت دریا سے ہے وہی نسبت کتاب میں سے کچھ علم رکھنے والے کو عالمِ علمِ کتاب سے ہے) حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا" آگاہ رہو کہ حضرت آدمؑ سے حضرت خاتمؐ تک تمام انبیاء ومرسلین کے تمام علوم وفضائل ومناقب آنحضرت کی عترت معصومین علیہم السلام کے پاس ہیں (یہاں تک نقلِ روایات قمی)۔
ثقہ جلیل عیاشی نے اپنی تفسیر میں چار روایات مزید، صحیح ومعتبر، حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کی ہیں کہ "من عندہٗ (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

کتاب شریف کافی کے باب علم غیب میں جناب سدیر صیرفی سے منقول ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں، ابی بصیر، یحییٰ بزاز اور داؤد بن

(بقیہ حاشیہ) علم الکتاب" (جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے) سے مراد آئمہ اثنا عشر ہیں۔ تفسیر برہان میں بیس سے زیادہ روایات کافی، بصائر وغیرہ سے اور تفسیر نور الثقلین میں سترہ روایات بیان کی گئی ہیں کہ اس آیت سے آئمہ اثنا عشر مراد ہیں۔

تفسیر برہان میں علمائے اہلسنت کی کتب مثلاً تفسیر ثعلبی اور کتاب ابن مغازلی شافعی سے چند روایات درج کی گئی ہیں جن کا مدعا یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی مراد حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے۔

کتاب "احتجاج" میں شیخ طبرسی نے باب احتجاجات حضرت صادقؑ میں لکھا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک راوی سے دریافت فرمایا کہ لوگ پیغمبرانِ اولوا العزم اور امیر المؤمنین علیہم السلام کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ راوی نے عرض کیا کہ لوگ کسی شخص کو پیغمبرانِ اولوا العزم سے افضل نہیں جانتے۔ امام نے ارشاد فرمایا کہ خداوندِ عالم حضرت موسیٰ ابن عمران کے بارے میں فرماتا ہے "وکتبنا له فی الالواح من کل شیئٍ موعظة" (اعراف ۱۴۵) یعنی ہم نے موسیٰ کے لئے کتاب الواح (توراۃ) میں ہر شے سے نصیحت کی۔ پروردگار عالم نے من کل شیئٍ یعنی "ہر چیز سے نصیحت" فرمایا ہے۔ "کل شیئ" نہیں فرمایا (یعنی تمام چیزوں سے نہیں بلکہ ہر چیز سے فرمایا) حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں فرمایا "ولیبین لکم بعض الذی تختلفون فیه" یعنی عیسیٰؑ تمہارے لئے بعض وہ چیزیں کہتے ہیں جن میں تم اختلاف کرتے ہو۔ یہ نہیں فرمایا کہ وہ تمام چیزوں کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

کثیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھے کہ حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا "اے سدیر! کیا تو نے قرآن پڑھا ہے" عرض کیا "جی ہاں" حضرت نے ارشاد فرمایا "کیا تو نے اس آیت کو بھی پڑھا

(بقیہ حاشیہ) اللہ تعالےٰ نے امیرالمؤمنین علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا: "قل کفیٰ باللہ شہیداً بینی وبینکم ومن عندہ علم الکتاب" یعنی میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لئے کافی ہے۔ اللہ اور وہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔ نیز فرمایا "لا رطب ولا یابس الّا فی کتاب مبین۔ یعنی کوئی تر و خشک ایسی نہیں جو کتاب مبین میں نہ ہو اور یہ کہ اس کتاب کا علم امیرالمؤمنین علیہ السلام کے پاس ہے۔

علامہ جلیل القدر ابن شہر آشوب نے کتاب مناقب میں فصل "مسابقہ امیرالمؤمنین در علم" میں محمد بن مسلم، ابوحمزہ ثمالی، جابر بن یزید جعفی کے ذریعہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے، علی بن فضال، فضیل بن یسار اور ابوبصیر کے ذریعہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے، احمد بن محمد حلبی اور محمد بن فضیل کے ذریعہ حضرت امام رضا علیہ السلام سے اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے، نیز زید بن علی، محمد بن الحنیفہ، سلمان فارسی، ابوسعید خدری اور اسمٰعیل سدی سے روایت کی ہے کہ ان تمام بزرگوں نے فرمایا کہ آیۂ مبارکہ "قل کفیٰ باللہ شہیداً بینی وبینکم ومن عندہ علم الکتاب" سے حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام مراد ہیں۔ علمائے اہل سنت کے دیگر علماء اور تفسیر ثعلبی نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے۔

کتاب بصائر الدرجات، جزو پنجم، صفحہ ۲۱۲ پر ثقہ جلیل جناب صفار نے اکیس روایات کا ذکر کیا ہے کہ "من عندہ علم الکتاب" کا مصداق حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔ چند ایک روایات ایسی (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

ہے: "قال الذی عندہٗ علم الکتاب انا آتیک بہٖ قبل ان یرتد

(بقیہ حاشیہ) بھی ہیں جن میں مصداقِ آیت آئمہ اثنا عشر کو قرار دیا ہے۔
بحار الانوار طبع جدید، جلد ۳۵ صفحہ ۴۲۹-۴۳۵ میں بیس۲۰ سے زیادہ روایات معتبر کتب شیعہ اور اہلِ سنت کی آٹھ کتابوں سے اس بارے میں درج کیا گیا ہے کہ وہ ہستی جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے حضرت علی ابن ابی طالب ہی ہیں۔

علامہ قاضی نور اللہ شہید نے کتاب "احقاق الحق" جلد ۲ صفحہ ۲۸۰ پر اس آیۂ شریفہ کو تحریر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ جمہور عامہ نے روایت کی ہے کہ: "من عندہٗ علم الکتاب" حضرت علیؑ ہیں۔ پھر صفحہ ۲۸۴ پر فرماتے ہیں کہ اس روایت کو ثعلبی نے اپنی تفسیر میں دو طریقوں سے، جلال الدین سیوطی نے "اتقان" میں، سعید نے "کتاب سنن" میں اور بغوی نے "معالم التنزیل" میں لکھا ہے۔
علامہ مرعشی دام ظلہٗ نے کتاب "احقاق" صفحہ ۲۸۳ پر دس سے زیادہ علمائے اہلِ سنت کا ذکر کیا ہے۔ جنہوں نے اپنی کتابوں میں اس روایت کو درج کیا ہے پھر صفحہ ۴۵۱ پر دیگر کتب اہلِ سنت سے نقل کیا ہے کہ وہ شخص حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہی ہیں۔ پس معانی پر تمام عام و خاص علماء متفق ہیں اور اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ والحمد للہ کما ھو اھلہٗ۔

زیارت امیر المومنین، روز عید مولود، میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا "السلام علیک یامن عندہٗ علم الکتاب .... الخ"

کتاب "احقاق" جلد ۷ صفحہ ۶۰۸، نیز ترمذی کی کتاب مناقب مرتضویہ، صفحہ ۱۴۲ مطبوعہ بمبئی میں ہے: "قال تال امام العالمین کرم اللہ وجھہ انا الذی عندی علم الکتاب علی ما کان وما یکون"

الیک ترفک۔ (سورہ نمل ۲۷/۴۰۔ یعنی، کہا اس نے جس کے پاس کتاب میں سے کچھ علم تھا کہ میں لے آؤں گا (تخت بلقیس کو) قبل اس کے کہ آپ ایک بار پلک جھپکیں"۔ (اس سے مراد آصف وصی حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں، جن کو اسم اعظم میں ایک حرف کا علم تھا، جیساکہ انشاء اللہ فصل قدرت امام میں درج ہوگا۔)

سدیر نے عرض کیا "جی ہاں! میں نے پڑھا ہے"۔ حضرت نے فرمایا "کیا تو اسے پہچانتا ہے اور کیا تو جانتا ہے کہ اس کے پاس علم کتاب کی مقدار کیا تھی؟" سدیر نے عرض کیا "آپ ہی بیان فرمائیں"۔ حضرت نے ارشاد فرمایا "اس قدر جتنی ایک قطرہ کو دریائے اخضر سے نسبت ہے"۔ سدیر نے عرض کیا "یا حضرت! اس قدر کم"۔ ارشاد فرمایا "یہ کہو اتنا زیادہ۔ اس لئے کہ خداوند عالم نے اس کو علم وکمال سے نسبت دی ہے۔ اے سدیر! کیا تو نے آیہ "قل کفیٰ باللہ شھیداً بینی وبینکم ومن عندہ علم الکتاب" بھی پڑھی ہے؟" عرض کیا "میں آپ پر قربان! میں نے پڑھی ہے"۔ (پہلی آیت میں کتاب میں سے کچھ علم، فرمایا ہے جب کہ دوسری آیت میں علم کتاب، ظاہر ہے کہ سب کا سب زیادہ ہے) پس امام علیہ السلام نے فرمایا "اے سدیر! جو شخص پوری کتاب کا علم رکھتا ہے وہ زیادہ عالم ہے یا وہ جس کے پاس کتاب میں سے کچھ علم ہے؟ (جیساکہ پہلی آیت میں ہے)۔

سدیر نے کہا "وہ شخص جس کے پاس تمام کتاب کا علم ہے، زیادہ عالم ہے"۔

پس حضرت نے اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا "علم الکتاب واللہ کلہ عندنا علم الکتاب واللہ کلہ عندنا یعنی خدا کی قسم تمام کی تمام کتاب کا علم ہمارے پاس ہے" اور

اس جملہ کا تکرار فرمایا[1]

---

[1] اس روایت کو بصائر الدرجات میں دو اور اسناد کے ذریعہ دو جگہ نقل کیا گیا ہے۔ ان روایات شریفہ سے استفادہ کیا جا سکتا ہے کہ دیگر حضرات کا علم بہ نسبت علمِ محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام ایسا ہی ہے جیسے قطرہ کی نسبت دریا سے ہے۔
سدیر و ابن اذینہ کی روایات کے علاوہ، جو گذشتہ صفحات میں پیش کی گئیں بحار الانوار مطبوعہ کمپانی، ج ۷، صفحہ ۲۲۳، جلد ۵ صفحہ ۲۹۸، مطبوعہ جدید جلد ۱۲، صفحہ ۲۱۲، جلد ۴۰ صفحہ ۱۷۷ و ۱۸۶ میں یہ روایات مذکور ہیں۔ کتاب "ابوابِ رحمت" صفحہ ۲۹ اور مستدرک سفینہ لغتِ خضر و علم کی بحث میں بھی ان روایات کا ذکر ہے۔

تیسری فصل

(تفسیر قرآن بالرائے)

اس فصل میں بیان ہوگا کہ قرآن کی تفسیر اور آیاتِ قرآن کے ظاہری الفاظ سے (بالخصوص ان آیات میں جو غیر محکم اور غیر واضح ہیں) اللہ تعالٰی کی مراد کا تعین، اپنی رائے سے، عترتِ طاہرہ کے فرمودات کے بغیر، جائز و صحیح نہیں۔ اس بحث کے مختلف پہلوؤں پر تحقیق سے قبل ہم متعلقہ روایاتِ مبارکہ کا ذکر کریں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پروردگارِ عالم کا ارشاد ہے کہ وہ شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا جو میرے کلام کی اپنی رائے سے تفسیر کرتا ہے۔ اس شخص نے مجھے ہرگز نہیں پہچانا جس نے مخلوق میں میری شبیہ قائم کی۔ وہ شخص میرے دین پر نہیں جس نے میرے دین میں قیاس سے کام لیا۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جو کوئی قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرتا ہے تو وہ خدا پر جھوٹ باندھتا ہے۔[2]

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں "اس بات سے ڈرو کہ قرآن کی اپنی

---

[1] اس روایت کو شیخ صدوق نے کتاب توحید، بابِ نفی تشبیہ میں حضرت امام رضا علیہ السلام سے اور انہوں نے اپنے آبائے بزرگوار اور رسول اللہ سے نقل کیا ہے اور کتاب مجالس و توحید و عیون میں وسائل بابِ قیاس میں بھی درج کیا ہے۔

[2] اس روایت کو کتابِ خصائل صدوق سے وسائل میں نقل کیا گیا ہے۔

رائے سے تفسیر کرو، مگر یہ کہ تفسیر قرآن ان لوگوں سے حاصل کرو، جو عالم قرآن ہوں اور ان ہی سے اس کی تعلیم حاصل کرو، کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ قرآن ظاہر میں مشابہ بہ کلام بشر ہوتا ہے۔ لیکن اس کا ظاہر مرادِ پروردگار نہیں ہوتا۔ جس طرح مخلوق ہرگز کسی قسم کی شباہت اپنے خالق سے نہیں رکھتی اسی طرح افعالِ خالق کسی طرح افعالِ مخلوق کے مشابہ نہیں ہوتے۔ کلامِ خالق فعلِ خالق ہے اور کلامِ مخلوق فعلِ مخلوق ہے۔ لہذا کلامِ خالق چونکہ فعلِ خالق ہے اس لئے کسی طرح بھی وہ ہرگز کلامِ مخلوق سے مشابہت نہیں رکھتا۔ پس کبھی کلامِ خالق کو کلامِ مخلوق سے مشابہ نہ کرو، کیونکہ اس سے ضلالت و گمراہی میں جا پڑو گے ..... الخ[1]

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص دو آدمیوں کے درمیان اپنی رائے سے فیصلہ کرے وہ کافر ہے اور جو شخص اللہ کی کتاب کی کسی آیت کی اپنی رائے سے تفسیر کرے وہ بھی کافر ہے۔[2]

عبداللہ ابن عباسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک خطبہ سے نقل کیا ہے کہ اس میں آنحضرتؐ نے فرمایا: "علیؑ ہے میرا بھائی، میرا وزیر، میرا خلیفہ اور میری طرف سے مبلغ۔ اگر تم اس سے رشد و ہدایت طلب کرو گے تو وہ تمہیں صحیح ہدایت کرے گا۔ اگر اس کے تابع ہو گے تو نجات پاؤ گے۔ اگر اس کی مخالفت کرو گے تو گمراہ

---

[1] اس روایت کو شیخ صدوق کی 'توحید' میں ابو معمر سعدانی کی مفصل روایت کے ایک جزو کے طور پر نقل کیا گیا ہے۔

[2] مقدمہ تفسیر عیاشی صفحہ ۱۰ میں عمار بن موسیٰ سے یہ روایت درج ہے۔ اور تفسیر قرآن بہ رائے سے منع کے بارے میں صفحہ ۱۷ پر پانچ اور روایات کا ذکر کیا ہے۔

ہو گے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجھ پر نازل فرمایا ہے اور اس کی مخالفت کرنے والا گمراہ ہے۔ اور جو کوئی قرآن کے علم کو علیؑ کے علاوہ کسی سے طلب کرے گا تو ہلاکت و خسارت اس کا نصیب بن جائے گی [1]

امام محمد باقرؑ نے فرمایا ہے کہ علم قرآن ہمارے علاوہ اور کوئی نہیں رکھتا۔ [2]

ابو الصباح کہتا ہے: "خدا کی قسم! حضرت جعفر ابن محمد الصادق علیہما السلام نے مجھ سے فرمایا: "خداوند متعال نے تنزیل و تاویل قرآن اپنے پیغمبرؐ کو تعلیم فرمائی اور آنحضرتؐ نے اس کی امیرالمومنین علیہ السلام کو تعلیم دی اور خدا کی قسم ہمیں انھوں نے تعلیم دی"۔ [3]

امام محمد باقر علیہ السلام نے فقیہ اہل بصرہ "قتادہ" سے فرمایا: "اگر تم قرآن کی اپنی رائے سے تفسیر کرو گے تو خود اپنے آپ کو ہلاک کرو گے اور دوسروں کو بھی ہلاکت میں ڈال دو گے۔ اور اگر لوگوں کے کہنے کے مطابق تفسیر کرو گے تو اپنے لئے ہلاکت مول لو گے اور دوسروں کے لئے ہلاکت فراہم کرو گے۔" پھر فرمایا "عارفِ قرآن صرف وہی شخص ہے جو قرآن سے مخاطب ہے۔ (انما یعرف القرآن من خوطب بہ) [4]

---

[1] کتاب امالی صدوق سے وسائل اور بشارت المصطفیٰ میں یہ روایت منقول ہے۔

[2] سورۂ واللیل کی تفسیر میں قمی نے بسند صحیح حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے یہ روایت نقل کی ہے۔

[3] وسائل میں یہ روایت شیخ طوسی اور جناب عیاشی نے نقل فرمائی ہے۔

[4] یہ واقعہ بحار مطبوعہ کمپانی جلد ۷، صفحہ ۱۳۹ میں کتاب شریف کافی سے درج ہوا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

کتاب کافی میں سورہ "انا انزلنا" کی تفسیر کے سلسلہ میں حضرت امام جواد علیہ السلام سے ایک حدیث منقول ہے۔ کسی شخص نے امامؑ کی خدمت میں عرض کیا: "کیا بعد پیغمبرؐ مسلمانوں کے لئے قرآن کافی نہیں ہے؟" حضرت نے فرمایا: "اگر لوگوں کو قرآن کا کوئی مفسر مل جائے تو قرآن کافی ہوگا" اس نے عرض کیا: "کیا پیغمبرؐ نے مسلمانوں کے لئے قرآن کی تفسیر نہیں فرمائی؟" حضرت نے ارشاد فرمایا: "آنحضرتؐ نے صرف ایک شخص سے قرآن کی تفسیر بیان فرمائی تھی اور ان کا امت سے تعارف بھی کروا دیا تھا۔ اور وہ شخص حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں"..... الخ

اس مطلب کے ثابت کرنے کے لئے روایات حد تواتر سے بڑھ گئی ہیں۔ اس مختصر کتاب میں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں۔ لہٰذا روایات کے متلاشی اگر اس سے زیادہ روایات دیکھنا چاہتے ہوں تو بحارالانوار، وسائل، مستدرک اور دیگر متعلقہ کتب کی طرف رجوع فرمائیں [1]

(بقیہ حاشیہ) مقدمہ تفسیر عیاشی میں جناب امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے اس حدیث کے ضمن میں فرمایا "قرآن کے ہر لفظ کی تاویل متعدد وجوہ پر ہوتی ہے" نیز نہج البلاغہ میں حضرت امیرالمومنینؑ نے ابن عباسؓ سے فرمایا: "خوارج کے ساتھ قرآن میں بحث مت کرو۔ اس لئے کہ قرآن کے متعدد معانی ہیں۔ جو کچھ تم کہو گے وہ اس بارے میں کچھ اور کہہ دیں گے۔ البتہ ان سے سنتِ پیغمبر پر بحث کرو جس کو قبول کرنے کے سوا ان کے پاس کوئی چارہ نہیں۔

[1] عالم کامل باعمل، محدث جلیل شیخ حر عاملی نے "وسائل" کی کتاب قضاء، باب ۱۳ میں ظواہر قرآن سے احکام کے استنباط بغیر بیانِ پیغمبر و امام، بیاسی معتبر و مستند و صحیح روایات نقل فرمائی ہیں۔ عالم کامل (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

قارئین محترم! ان لوگوں کی مدد سے قرآن کریم کا ترجمہ جو لغت عرب سے آشنا ہیں، ظواہر قرآن کے بارے میں، یا مواعظ قرآن سے نصیحت حاصل کرنے، یا قرآن کی بشارتوں سے خوش ہونے، یا اللہ تعالیٰ کے عذاب سطوت وجلال سے خوف زدہ ہونے یا قرآن میں فکر کرتے میں کوئی حرج

(بقیہ حاشیہ) نوری نے مستدرک وسائل، جلد ۲، صفحہ ۱۹۰ پر اسی موضوع پر پینتیس ۳۵ دیگر روایت کا ذکر کیا ہے۔ علامہ مجلسی نے بحارالانوار طبع کمپانی، جلد ۱۹، کتاب قرآن صفحہ ۲۱-۲۸ میں اس باب میں کہ قرآن کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی، ہر شے کا علم قرآن میں موجود ہے اور وہ تمام علم ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کے پاس ہے ان کے علاوہ یہ علوم کوئی نہیں جانتا سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے آئمہ کو سے تعلیم حاصل کی، بہت روایات نقل کی ہیں۔ نیز صفحہ ۲۸-۲۹ پر قرآن کی تفسیر مبنی بر قیاس کی مذمت میں بیس سے زیادہ روایات درج کی ہیں۔ عالم کبیر نے کتاب تاج جامع اصول (جو علمائے اہل سنت کی چھ صحاح کے جامع ہیں) کے جزو چہارم، کتاب تفسیر، صفحہ ۲۲ پر حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: "اگر کوئی شخص اللہ کی کتاب کے سلسلہ میں کوئی بات اپنی رائے سے کہے اور وہ رائے اگر درست بھی ہو تو وہ شخص خطا کا مرتکب ہوگا۔" اہل سنت حضرات نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے۔ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: "جو شخص بغیر علم قرآن میں اپنی رائے کا اظہار کرے گا۔ اس کا مقام آتش دوزخ میں ہوگا۔" ترمذی نے بھی اسی روایت کا کتاب تاج کے آخر میں بسند صحیح ذکر کیا ہے۔ علامہ فخرالدین رازی نے اپنی تفسیر میں سورہ آل عمران کی آیہ مبارکہ "و یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم" کے ذیل میں آنحضرتؐ سے نقل کیا ہے کہ فرمایا: "من فسر القرآن برایہ فلیتبوأ مقعدہ من النار" یعنی جو شخص اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرے اس کی جگہ جہنم ہے۔

نہیں۔ اشکال تو وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں کوئی شخص آیاتِ غیر محکمات کے سلسلہ میں ظاہرِ کلام میں اپنے فہم پر اعتماد کرلے اور وارد شدہ آیات سے استفادہ کئے بغیر اپنی رائے کو مراد و مقصودِ پروردگارِ عالم سمجھ بیٹھے نیز خود اپنے آپ کو علومِ قرآن کی تشریحات و مراداتِ خداوند تعالیٰ و تفسیر و تاویلِ قرآن کے سلسلہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ائمہ علیہم السلام سے جو علومِ قرآن کے واقعی عالم ہیں، مستغنی جان لے۔ کیونکہ ممکن ہے ان کے نزدیک یہ قرینہ ہو کہ وہ اس مطلب ظاہری سے انسان پر اپنی تاویل کو صرف کریں اور اشتباہ میں بھی ہوں۔ جو شخص مذکورہ روایات سے آگاہ ہو اس کو چاہیئے کہ اپنے معانی کو منزلِ احتمال (شک) میں رکھے۔ امام حسن عسکری علیہ السلام نے بھی انہی معنی میں تصریح فرمائی ہے۔

عراق کے ایک فلاسفر اسحق کندی نامی نے ایک کتاب قرآن کے اختلاف و تناقض کے ثبوت کے بارے میں لکھی تھی۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے ایک شخص کو اس فلسفی کے پاس بھیجا کہ اس سے رفاقت پیدا کرے اور پھر اپنی طرف سے اس سے دریافت کرے کہ اگر صاحبِ قرآن آپ کے پاس آکر اپنے مقصد کی تشریح کرے تو کیا یہ ممکن ہے کہ اس کا مقصد ان معانی سے مختلف ہو جو آپ گمان کرتے ہیں؟ اس نے کہا کہ "یہ ممکن ہے۔" اس شخص نے کہا کہ "شاید صاحبِ قرآن کا مقصد آپ کے سمجھے ہوئے مقصد سے مختلف ہو اور آپ نے اُن کے کلام کو ان کے منشاء کے خلاف کسی اور چیز پر عائد کیا ہو؟" جب اس نے یہ کلام سنا تو سوچا اور سمجھا کہ لغت و عقل کے اعتبار سے یہ بات امکان پذیر ہے تو اس نے پوچھا "یہ مطلب تم نے کہاں سے سیکھا؟" اس نے کہا "یہ بات میرے دل میں پیدا ہوئی ہے۔" اس فلسفی نے کہا "تمہارے جیسے لوگ اس قسم کی باتیں نہیں سوچ سکتے۔ سچ سچ بتاؤ

کہ حقیقت کیا ہے؟ اس نے کہا " امام حسن عسکری علیہ السلام نے مجھے ہدایت فرما کر آپ کے پاس بھیجا ہے " اس نے اقرار کیا اور کہا، "حقیقت یہ ہے کہ یہ کلام اس خاندان کے علاوہ اور کسی شخص کا ہو ہی نہیں سکتا۔" پھر اس نے آگ منگوائی اور جو کچھ اس نے تناقض و اختلافِ قرآن کے متعلق لکھا تھا، اسے جلا ڈالا۔[1]

پس ظاہر ہوا کہ کسی کو حق حاصل نہیں کہ پیغمبر و امام سے رجوع کئے بغیر کتاب اللہ سے متمسک ہو اور اس کے احکام کا اثبات کرے یا یہ کہ بعض آیاتِ متشابہات کو پڑھ کر کہے کہ اللہ تعالیٰ کو آخرت میں دیکھا جا سکے گا۔ جس کے بعض مسلمان جو پیروانِ آئمہ نہیں، قائل ہیں، یا یہ کہ آیات متشابہات کے بعض ظاہری معنی جان کر کچھ لوگ یہ کہنے لگتے ہیں کہ خدا جسم رکھتا ہے اور پھر اس کے لئے اعضا و جوارح و مکان و آمد و رفت و نسیان قرار دیتے ہیں، یا پھر بعض آیات پر نظر ظاہری ڈال کر انبیا و مرسلین کے لئے شرک و معصیت کا جواز قائم کر لیتے ہیں۔ یا قرآن میں تناقض و اختلاف کو ثابت کرتے ہیں یا پھر بعض آیاتِ متشابہات سے جبر کو ثابت کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں آیۂ شریفہ " ماکان محمد ابا احد من رجالکم " (یعنی محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں) کو پڑھ کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ امام حسنؑ و امام حسینؑ اور ان کے فرزندان اولادِ پیغمبر نہیں ہیں۔ حالانکہ یہ آیت آنحضرتؐ کے خاندان سے باہر کے مردوں کے لئے ہے۔ جیسا کہ زید بن حارثہ جو کہ آنحضرتؐ کے منہ بولے

---

[1] اس حدیث کو عالم جلیل ابن شہر آشوب نے مناقب میں امام حسن عسکری علیہ السلام کے حالات کی تاریخ میں لکھا ہے۔

بیٹے تھے جب کہ حسن و حسین علیہما السلام اہل بیت پیغمبرؐ کے افراد ہیں۔ اور دوسری آیات کی دلیل کے مطابق اولاد و ذریت ہیں۔

اسی طرح بعض لوگ آیۂ مبارکہ "والذین تدعون من دونہ ما یملکون من قطمیر" (سورہ فاطر/۱۳) کو پڑھ کر کہنے لگتے ہیں، کہ جو کوئی اللہ کے سوا کسی اور کو اپنی حاجت برآری کے لئے پکارے تو اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ لوگ مرنے کے بعد وہ خرما کے نازک چھلکے جتنا بھی کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتے۔ لہذا اگر تم انہیں قیامت کے دن پکاروگے تو وہ تمہاری آواز نہیں سنیں گے اور اگر سنیں گے بھی تو تمہاری مدد کے لئے جواب نہ دے سکیں گے۔ بلکہ قیامت کے دن وہ تمہارے ان شرک آمیز اعمال کے خلاف کفران و نفرت کا اعلان کریں گے۔ پس لوگ اس آیت کو پڑھ کر پیغمبرؐ و آئمہ کے بارے میں یہ کہنے لگے کہ ان سے توسل اور ان کی قبورِ مقدس کی زیارت غلط و کفر و شرک ہے۔

یہ لوگ آیت کے ترجمہ کرنے میں خیانت کے مجرم ہیں اور انہوں نے اپنی طرف سے آیت کے ترجمہ میں اضافہ کر دیا ہے اور دوسری آیات سے جو صریحاً اس امر کی دلیل ہیں کہ اس آیت سے مشرکین کے اصنام اور ان کی توبیخ مقصود ہے، غفلت یا تغافل برتا ہے۔ اس طرح انہوں نے پیغمبرؐ و امامؑ کو بتانِ کفار پر قیاس کر کے خود اپنے اوپر اور دوسروں پر بھی ظلم کیا ہے۔

لہذا چونکہ تمام علوم قرآن آنحضرتؐ اور آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کے پاس ہیں اس لئے لازم ہے کہ علوم قرآن اور مقصوداتِ پروردگارِ عالم کے لئے پیغمبرؐ و امام کی طرف رجوع کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن اکیلا پیغمبرؐ و امام کے بیان کے بغیر مخلوق خدا کی ہدایت کے لئے کافی

نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پیغمبرؐ و امام کی جانب رہنمائی کرتا ہے اور پیغمبرؐ و امام قرآن کی جانب رہنما ہیں اور وہ فرماتے ہیں۔ کہ ہم ہرگز قرآن کے خلاف نہیں کہتے اور جو کچھ ہم کہتے ہیں وہ قرآن ہی سے ہے۔

کتاب شریف کافی کے باب میں کہ قرآن امام کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آیۂ مبارکہ "ان هذا القرآن يهدى للتى هى اقوم" کی تفسیر میں حضرت نے فرمایا کہ قرآن امام کی طرف ہدایت کرتا ہے [۱]

---

[۱] اس مطلب کی کئی روایات تفسیر صافی و برہان و نور الثقلین و عیاشی و بحار میں مذکور ہیں۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "امام نہیں ہوتا مگر یہ کہ وہ معصوم ہوتا ہے اور عصمت کوئی ایسی صفت نہیں کہ لوگ اسے دیکھ سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ صفت خدا اور پیغمبرؐ کی جانب سے متعین ہوتی ہے معصوم کے معنی یہ ہیں کہ وہ حبل اللہ سے معتصم و متمسک ہو اور حبل اللہ قرآن ہے جب کہ امام و قرآن ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے حتّٰی کہ قیامت کا دن آجائے۔ پس امام قرآن سے ہدایت کرتا ہے اور قرآن امام کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ یہ ہیں معنی کلام خدا ان هذا القرآن ..... الخ ..... کے"

مبحث دوم

عترت معصومین علیہم السلام کی معرفت کے بیان میں

جو حدیثِ ثقلین کی رُو سے قرآن کے شریک قرار دیئے گئے ہیں؛

اس مبحث میں چند فصلیں ہیں:-

پہلی فصل

خداوندِ عالم نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترتِ طیبین وطاہرین کو جو ائمہ اثنا عشر علیہم السلام ہیں، علم وفہم رسولؐ میں شریک فرمایا ہے چنانچہ آنحضرتؐ خود فرماتے ہیں: اعطاھم اللّٰہ فھمی وعلمی وخلقوا من طینتی یعنی خداوندِ عالم نے میرا علم وفہم ان حضرات کو عطا فرمایا ہے اور وہ میری ہی طینت پر خلق ہوئے ہیں۔ [1]

---

[1] اس روایت شریفہ کو ثقہ جلیل القدر صفار نے "بصائر" کے جزوِ اول صفحہ ۴۸، ۵۲، پیغمبر اکرمؐ سے ذو معتبر اور صحیح روایات کے ضمن میں نقل فرمایا ہے۔ "کامل الزیارہ" میں بھی چند روایات میں اس کا ذکر ہے۔ نیز کافی کے اس باب میں کہ خداوند تعالےٰ نے اپنے پیغمبرؐ کو علم تعلیم نہیں فرمایا، مگر اس لئے کہ آپ کو حکم دیا کہ آپ امیرالمومنین علیہ السلام کو تعلیم دیں۔ اور امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ "یہ تمام علم ہم تک پہنچا ہے اور اس کی دلائل موجود ہیں۔ اس روایت کے دلائل دیگر "بصائر" کے جزو چہارم، بابِ اول روایت ۲۲۔ جزو ششم، باب ۱۰ روایت ۲۳۔ باب ۱۲، روایت ۲ اور جزو ہفتم، باب ۸ روایت ۹ میں بھی مذکور ہیں۔

دوسری فصل

ہر چیز کا علم وجودِ مقدسِ امام علیہ السلام میں منحصر و منضبط ہے چنانچہ خداوند عالم سورۂ یٰسین میں ارشاد فرماتا ہے: "وکل شیئٍ احصیناہ فی امام مُبین" یعنی ہم نے ہر چیز امام مبین میں احصاء کردی ہے۔

جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے اپنے مفصل خطبہ شریفہ روز غدیر میں (جس کو مکمل طور پر شیخ طبرسی نے احتجاج میں نقل کیا ہے) ارشاد فرمایا "اے لوگو! کوئی ایسا علم نہیں جسے خداوند سبحانہٗ تعالےٰ نے میرے اندر احصار و ضبط نہ فرمایا ہو، اور جو کچھ کہ میں جانتا ہوں، وہ میں نے سب کا سب متقین کے درمیان، جو علیؑ کے فرزندان گیارہ امام ہیں، منحصر و منضبط کردیا ہے۔ اور کوئی ایسا علم نہیں جو میں نے علیؑ بن ابی طالبؑ کو تعلیم نہ کردیا ہو اور وہی امام مبین ہے۔[1]

[1] اس روایت کو علامہ مجلسی نے بحار طبع جدید جلد ۳۵ ، صفحہ ۴۲۸ میں دیگر روایات کے ساتھ نقل کیا ہے۔ نیز تفسیر قمی وصافی و برہان و نور الثقلین وغیرہ میں روایات نقل کی گئی ہیں کہ اس آیت میں امام مبین سے آئمہ اثنا عشرؑ مراد ہیں اور میں نے اس کی تفصیل کتاب ابواب رحمت و ارکان دین و مستدرک سفینہ جلد ۱ لفظ امم کی لغت کے تحت بیان کی ہے۔

تیسری فصل

خداوند عالم کے علوم دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ علم ہے جو خالق اکبر کی ذاتِ مقدس کے لئے مخصوص ہے۔ دوسرا علم وہ ہے جو ملائکہ وانبیاو مرسلین کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔ وہ سب کا سب علم جو مخلوق کی طرف مرحمت ہوتا ہے۔ ائمہ ہدیٰ علیہم السلام جانتے ہیں۔

اصول کافی میں پانچ معتبر وصحیح روایات اس سلسلہ میں نقل کی گئی ہیں کہ آئمہ اثنا عشرہ وہ تمام علوم جانتے ہیں جو ملائکہ وانبیار و مرسلین کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئے ہیں۔ انہی روایات میں سند صحیح کے ساتھ ایک روایت ابوبصیر کے ذریعہ امام محمد باقر علیہ السلام سے مذکور ہوئی ہے۔ حضرت نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے علوم دو قسم کے ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا دوسری قسم علم کی وہ ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ اور مرسلین کو تعلیم فرمایا اور ہم ان سب علوم سے واقف ہیں"۔ اسی مطلب کی ایک اور روایت سند صحیح کے ساتھ علی بن جعفر کے ذریعہ حضرت موسیٰ بن جعفر علیہما السلام سے نقل ہوئی ہے۔ اسی موضوع پر تین اور روایات بھی مذکور ہوئی ہیں۔

اسی مقصد کو عالم ثقہ وجلیل القدر صفار نے کتاب "بصائر" جزو دوم باب ۲۱ کا عنوان قرار دیا ہے اور اس کے ثبوت میں اٹھارہ روایات معتبر وصحیح درج کی ہیں۔ جن کا مطلب واضح یہ ہے کہ کوئی علم ایسا نہیں جو انبیار و مرسلین و ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا ہو، اور جس کو

آئمہ ہدیٰ علیہم السلام نہ جانتے ہوں[1]

---

[1] روایت مذکورہ کے ساتھ کئی اور روایات بحار الانوار مطبوعہ کمپانی، جلد ۲ باب علم و باب بدا میں اور جلد ۷، صفحہ ۲۱۴ کے اس باب میں کہ ائمہ علیہم السلام کے پاس ملائکہ و پیغمبران کے سب علوم ہیں، مذکور ہوئی ہیں۔ شیخ صدوق نے بھی کتاب توحید میں اس موضوع پر روایات نقل فرمائی ہیں۔

چوتھی فصل

تمام کتب جو آسمان سے نازل ہوئیں، تمام انبیاء و مرسلین کے علوم و آثار و آیات صحیفہ ہائے حضرات آدم و ادریس و ابراہیم علیہم السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توراۃ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل، حضرت داود علیہ السلام کی زبور، حضرت موسیٰؑ کا عصا جو بہشت سے آیا تھا وہ پتھر جس پر انہوں نے عصا مارا اور اس سے بارہ چشمے جاری ہوئے (جیسا کہ قرآن پاک میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے) بنی اسرائیل کا تابوت (صندوق) حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص جو جنت سے حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کے لئے لائی گئی تھی، حضرت ابراہیمؑ سے حضرت اسحقؑ، حضرت اسحقؑ سے حضرت یعقوبؑ حضرت یعقوبؑ سے حضرت یوسفؑ تک پہنچی تھی، حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری اور اس کے علاوہ جو کچھ انبیاء رکھتے تھے۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس جمع تھیں اور آنحضرتؐ سے آئمہ ہدیٰ علیہم السلام تک پہنچی ہیں۔

کتاب کافی میں سات روایات صحیح و معتبر اس موضوع پہ مذکور ہوئی ہیں کہ ہمارے آئمہ ہدیٰ آنحضرتؐ اور دیگر تمام انبیاء و مرسلین و اوصیائے سابقہ کے علوم کے وارث ہیں۔ ان میں سے ایک وہ روایت ہے جو بسند صحیح ابوبصیر کے واسطہ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ حضرت نے فرمایا: خدائے عز و جل نے پیغمبروں کو کوئی ایسی چیز عطا نہیں فرمائی جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مرحمت نہ فرمائی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو ہر وہ چیز عطا فرمائی جو انبیائے ماسبق کو عطا فرمائی تھی اور وہ سب کچھ ہمارے پاس ہے۔ یعنی وہ سب صحیفہ

جات، صحفِ ابراہیمؑ و موسیٰؑ، جن کا اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے۔"

ابوبصیر کہتا ہے: "میں نے عرض کیا، میں آپ کے قربان! کیا وہ الواح ہیں؟"

حضرت نے ارشاد فرمایا: "یقیناً" (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی الواح جنہیں کتابِ توراۃ کہتے ہیں)۔

علیٰ ہذا القیاس بسندِ صحیح دیگر عبداللہ ابن سنان کے ذریعہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت نے ارشاد فرمایا: "حضرت داود علیہ السلام کی زبور اور وہ تمام کتب جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئیں، وہ اہلِ علم کے پاس ہیں اور وہ اہلِ علم ہم ہیں۔"

نیز کتاب کافی میں منقول ہے کہ عبدالحمید نے حضرت موسیٰ بن جعفر علیہما السلام کی خدمت میں عرض کیا: "کیا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت آدمؑ تا حضرت خاتم تمام انبیاؑ کے وارث تھے؟"

حضرتؑ نے فرمایا: "یقیناً" تھے۔ خداوند عالم نے کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا مگر یہ کہ آنحضرتؐ اس سے زیادہ عالم تھے۔ حتیٰ کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: (ولو ان قرآنا سیرت به الجبال او قطعت به الارض او کلم به الموتیٰ)، ہمیں وراثت میں یہ قرآن ملا ہے۔ جس کے ذریعہ پہاڑوں کی سیر یا زمین و بلاد کو قطع کیا جا سکتا ہے (یعنی تھوڑے سے عرصہ میں طویل مسافت طے ہو سکتی ہے) اس سے مردوں کو زندہ کیا جا سکتا ہے۔

اس کے بعد حضرتؑ نے آیہ مبارکہ "وما من غائبة فی السماء والارض الا فی کتاب مبین یعنی کوئی خفیہ شے آسمان و زمین میں نہیں مگر یہ کہ وہ کتاب مبین (قرآن) میں نہ ہو" سے استدلال فرمایا، نیز آیۂ شریفہ "ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا" سے دلیل پیش کی اور فرمایا "ہم ہی وہ اشخاص

ہیں جن کو خدا نے برگزیدہ فرمایا اور اس کتاب کی ہمیں تعلیم دی جس میں ہر شے کا بیان ہے"۔ [1]

اسی طرح کتاب کافی کے باب بعنوان "تمام کتابیں جو آسمان سے نازل ہوئیں آئمہ ہدیٰ کے پاس ہیں" میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت نے فرمایا: "انبیاء علیہم السلام کی تمام کتب ہمارے پاس ہیں"۔

نیز کتاب کافی کے باب بعنوان "پیغمبروں کے آیات و معجزات آئمہ اثنا عشر کے پاس ہیں" میں حضرات امام محمد باقر و جعفر صادق علیہم السلام سے پانچ

---

[1] یہ روایت "بصائر" میں جلد اول صفحہ ۳۰ پر مذکور ہے۔ شیخ مفید نے اپنی کتاب "ارشاد" میں فرمایا ہے کہ عامہ و خاصہ کے ثقہ اشخاص نے علمائے حدیث سے روایت کی ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا "اے لوگو! تمہیں ان افراد کی اطاعت و معرفت حاصل کرنا چاہیے۔ جن کو پہچاننے میں تم معذور نہیں ہو اور ان کے متعلق تم سے پوچھا جائے گا۔ جان لو کہ حضرت آدمؑ سے خاتمؐ تک تمام پیغمبروں کے علوم و فضائل تمہارے پیغمبرؐ کی عترت کے پاس ہیں۔ تم کہاں حیرانی و سرگردانی میں پھر رہے ہو؟ اے وہ لوگو کہ کشتی حضرت نوحؑ کے اصحاب کی اولاد سے ہو کشتی کی مثال تمہارے درمیان عترتِ رسولؐ ہیں۔ لہٰذا جس طرح ان لوگوں کو نجات حاصل ہوئی جو کشتی میں سوار ہو گئے اسی طرح جو بھی کشتیٔ نجات عترت سے متمسک ہو گا نجات پائے گا۔ میں ان کی نجات کا ضامن اور اس بارے میں قسم کھاتا ہوں۔ پس وائے ہو اس پر جو عترت سے تخلف کرے۔ کیا تم نے آنحضرتؐ کی اس بات کو نہیں سنا جو آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمائی تھی: "میں تمہارے درمیان دو عظیم چیزیں چھوڑ رہا ہوں، ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری عترت۔ جب تک ان دونوں سے متمسک رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے..... الخ

روایات نقل ہوئی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے فرمایا پیغمبروں کے وارث ہم ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا جو حضرت آدمؑ سے حضرت شعیبؑ تک اور حضرت شعیبؑ سے حضرت موسیٰؑ تک پہنچا، اب ہمارے پاس ہے۔ جب ولیٔ عصر علیہ السلام ظاہر ہوں گے تو حضرت کا منادی آواز دے گا کہ لشکری اپنے ہمراہ خوراک اور پانی لے کر نہ آئیں۔ جس منزل پر حضرت تشریف فرما ہوں گے حضرت عصا کو اسی پتھر پر ماریں گے جس پر حضرت موسیٰؑ عصا مارتے تھے۔ اس سے بارہ چشمے ظاہر ہوں گے پس جو بھوکا ہو گا ان میں سے کھا کر سیر ہو جائے گا اور جو پیاسا ہو گا اس سے سیراب ہو گا۔ نیز امام علیہ السلام کے پاس ہیں الواح موسیٰؑ، انگشتریٔ سلیمان اور قمیصِ حضرت یوسفؑ۔ یہ وہ قمیص تھی جو حضرت جبرئیل امین اس وقت جنت سے لائے تھے جب لوگ حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں پھینکنا چاہتے تھے۔ وہ انہوں نے حضرت خلیل اللہ کو پہنائی تھی جس سے وہ گرمی و سردی سے محفوظ رہے۔ ان سے یہ قمیص حضرت اسحٰقؑ تک حضرت اسحٰقؑ سے حضرت یعقوبؑ تک اور حضرت یعقوبؑ سے حضرت یوسفؑ تک پہنچی۔ اور حضرت یعقوبؑ کی طرف حضرت یوسفؑ نے اسے بھیجا تو حضرت یعقوبؑ نے مصر سے اس کی خوشبو کو محسوس کر لیا۔ پھر جب اس قمیص کو حضرت یعقوبؑ کے چہرہ پر، جو نابینا ہو چکے تھے، ڈالا گیا تو وہ بینا ہو گئے جیسا کہ قرآن پاک میں سورۂ یوسف میں مذکور ہے۔

اس کے علاوہ ایسی کئی روایات موجود ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام پیغمبروں کے سلاح و متاع امام زمانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ہیں [1]۔

---

[1] دیگر روایات جو اس موضوع کی دلیل ہیں ان کی تفصیل یہ ہے: (باقی صفحہ آئندہ)

پانچویں فصل

آئمہ ہدیٰ علیہم السلام تمام گذشتہ اور قیامت کے دن تک کے تمام حالات کا علم رکھتے ہیں۔ کتاب کافی کے اس باب میں کہ آئمہ ہدیٰ علیہم السلام ماضی و مستقبل کے تمام حالات سے واقف ہیں اور کوئی چیز ان سے مخفی نہیں، پانچ روایات اس کے اثبات میں منقول ہیں۔ انہی میں بسند صحیح حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے اپنے اصحاب کی ایک جماعت سے، جو خدمتِ اقدس میں حاضر تھی۔ ارشاد فرمایا: "کیا

(بقیہ حاشیہ)

(ﺍ)	کتاب "بصائر"	جزو ثالث	باب اول ،	چودہ روایات
(ب)	"	"	باب ۳ ،	چار روایات
(ج)	"	"	باب ۱۰ ،	پندرہ روایات
(د)	"	"	باب ۱۱ ،	سات روایات
(ﮦ)	"	جزو چہارم	باب اول ،	چوبیس روایات
(و)	"	"	باب ۴ ،	اٹھاون روایات
(ز)	"	جزو ہفتم	باب ۱۳ ،	تین روایات

(ح) بحارالانوار مطبوعہ کمپانی، جلد ۶ صفحہ ۲۲۵ - ۲۳۲ ۔ باب علم پیغمبرؐ اور جو کچھ آپ کو کتب دوسایا و آثار انبیاء سے دیا گیا نیز یہ کہ بندوں کے اعمال آنحضرتؐ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں، افرادات حضرت کے سامنے حاضر ہیں آپ معجزات انبیاء پر قدرت رکھتے ہیں۔

(ط) بحارالانوار طبع جدید، جلد ۱۷ صفحہ ۱۳۰ - ۱۵۵ ، باسٹھ روایات مذکور ہیں۔

(ی) اس بات پر دلائل کہ سب کچھ آئمہ کے پاس ہے ، بحارالانوار طبع کمپانی جلد ۷، صفحہ ۲۷۸ اور ۳۱۹ وغیرہ پر مذکور ہے۔

تمہارا خیال ہے کہ خداوند عالم اپنے اولیاء یعنی آئمہ ہدیٰ و خلفاء کی اطاعت تو تم پر واجب قرار دیتا ہے اور زمین و آسمان کے حالات ان سے پوشیدہ رکھتا ہے؟ ایسا ہرگز نہیں "۔

دیگر دو روایات میں ہے کہ حضرت نے فرمایا: " اللہ تعالیٰ اس امر سے بڑی شان و جلال و کرام والا ہے کہ اطاعت امام کو تو واجب قرار دے اور آسمان و زمین کے حالات کے علم کو امام سے مخفی رکھے۔ کوئی چیز امام سے حجاب میں نہیں ہوتی "۔

اس قسم کی بعض دیگر روایات فصل دوم میں گزر چکی ہیں۔[1]

---

[1] کتاب شریف "بصائر" جزو سوم، باب ۷، میں تین روایات نقل ہوئی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ کو ماضی و قیامت کے دن تک کا تمام علم عطا ہوا ہے اور یہ تمام علم امامانِ حق کو ورثہ میں حاصل ہوا ہے۔ بحارالانوار طبع کمپانی، جلد ۷، صفحہ ۳۰۱-۳۰۲ میں اس باب میں کہ آئمہ ہدیٰ آسمان و زمین و جنت و جہنم کے علم سے واقف ہیں اور آسمان و زمین کی ملکوت ان پر ظاہر کی گئی ہیں، وہ ماضی اور قیامت کے دن تک کے تمام حالات سے واقف ہیں، بیس سے زیادہ روایات جو صحیح و معتبر ہیں ثبوت میں درج کی گئی ہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اطاعت امام کے وجوب اور آسمان و زمین کے حالات کے امام سے مخفی نہ ہونے کے درمیان کیا ربط ہے تو ہمارا جواب یہ ہوگا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امام کی اطاعت کو تمام مخلوق پر واجب قرار دیا ہے اور امام کو اپنی تمام مخلوق پر اپنی حجت و خلیفہ بنایا ہے، لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ مخلوق کے افراد کے حالات، جو امام کی رعایا ہیں، امام سے پوشیدہ ہوں بالخصوص جب یہ سب امام کے اختیار و سلطنت و قدرت کے ماتحت ہیں تو کس طرح اُس سے مخفی ہو سکتے ہیں۔

چھٹی فصل

جملہ ملکوت آسمان و زمین پیغمبر و آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کے سامنے ظاہر کئے جا چکے ہیں۔ چنانچہ قرآن کی صراحت کے مطابق حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو سب کچھ دکھایا گیا۔ حتیٰ کہ آپ نے تمام آسمانوں اور ان کے ساکنین، تمام زمینوں اور جو کچھ ان کے اندر ہے جو کچھ ہوا میں ہے اور عرش کے اوپر سب کا مشاہدہ کیا۔ کتاب شریفہ "بصائر" جزو دوم، باب ۲۰ میں ہے کہ ملکوت آسمان و زمین آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کو اسی طرح دکھائے گئے جس طرح ہمارے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ظاہر کئے گئے تھے۔ حتیٰ کہ ان حضرات نے عرش کے اوپر بھی دیکھ لیا۔ اس معنی کے ثبوت میں گیارہ روایاتِ معتبر و صحیح و صریح منقول ہوئی ہیں۔

انہی میں یہ روایت بھی ہے جسے عبداللہ ابن مسکان نے آیہ مبارکہ "وکذٰلک نری ابراھیم ملکوت السمٰوٰت والارض" (ہم نے ملکوتِ آسمان و زمین کو ابراہیم کو دکھایا) کی تفسیر کے سلسلہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ حضرت نے فرمایا: "حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آنکھوں کے سامنے سے پردۂ حجاب ہٹا دیا گیا حتیٰ کہ آپ نے ساتوں آسمانوں اور عرشِ خداوندی کے اوپر تک ملاحظہ فرمایا۔ پھر آپ کے سامنے سے حجابات ہٹائے گئے تو آپ نے زمین اور جو کچھ ہوا میں ہے اس کو دیکھ لیا۔ پھر فرمایا کہ انہی حجابات کو ائمہ ہدیٰ کی نظروں کے سامنے سے بھی ہٹا دیا گیا۔

اس روایت کو "خرائج" میں بسند صحیح نقل کیا گیا ہے اور اسی مطلب کو ابی بصیر اور دوسروں نے بھی روایت کیا ہے ۔[1]

---

[1] اسی مطلب کو تفسیر عیاشی، سورہ انعام، بحار الانوار کمپانی جلد ۵ کے اس باب میں کہ حضرت ابراہیمؑ کے سامنے ملکوت آسمان و زمین کو کھولا گیا، تفسیر برہان و نور الثقلین و صافی میں کلینی سے اور صفار و قمی و مفید وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ نیز بحار طبع جدید جلد ۱۲، صفحہ ۵۶، بحار کمپانی جلد ۹ صفحہ ۲۸۱، جلد ۳۹ صفحہ ۱۵۸ کے اس باب میں کہ ملکوت آسمان و زمین کو امیر المومنین علیہ السلام پر ظاہر کیا گیا، بہت سی روایات درج ہیں۔

ساتویں فصل

آئمہ معصومین علیہم السلام کے پاس ایک کتاب ہے جس میں تمام پیغمبروں اور دنیا کے بادشاہوں کے نام درج ہیں۔ اس موضوع کے ثبوت میں کتاب شریف "بصائر" جزو چہارم، باب ۲ میں روایت درج ہوئی ہے۔ اسی سلسلہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "ہمارے پاس دو کتابیں ہیں جن میں تمام پیغمبروں اور بادشاہوں کے اسماء درج ہیں۔[1]

---

[1] اسی سے ملتی جلتی روایات بحار الانوار کمپانی، جلد ۷ صفحہ ۲۱۳ پر مذکور ہیں۔
نیز کافی کے اس باب میں جو صحیفہ و جفر و جامعہ و مصحف جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شرح میں ہے، فضیل بن یسار و برید و زرارہ کے ذریعہ بسند صحیح حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا "واللہ ہمارے پاس دو کتابیں ہیں۔ جن میں تمام پیغمبروں اور بادشاہوں کے نام موجود ہیں۔"

آٹھویں فصل

عظمت وجلالِ آئمہ معصومین علیہم السلام کے بارے میں جو قطعی دلائل وبراہین ہیں ان میں سورۂ انا انزلنٰہ فی لیلۃ القدر کی آیاتِ مبارکہ اور سورۂ حٰمٓ دخان کی شروع کی آیات شامل ہیں۔ جن کی صراحت اور اس سے متعلق روایات جو متواترات سے ہیں، اس امر کی وضاحت کرتی ہیں کہ سال بھر میں پیش آنے والے تمام چھوٹے بڑے واقعات (لوگوں کی اموات، ان کے رزق، ان کے مصائب اور تمام وہ کچھ جو سالِ آئندہ تک واقع ہونے والا ہے) شبِ قدر میں مقدر ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر فخرالدین رازی میں انہی معنی کو حضرت ابن عباسؓ سے اتفاق علماء کے ساتھ نقل کیا گیا ہے)۔ لہٰذا ملائکہ وروح (جو ملائکہ میں سب سے بڑے ہیں) پروردگار عالم کی جانب سے خدمتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تمام مقدرات اس طرح پیش کرتے ہیں جس طرح مامورینِ ابلاغ تمام سلطنت کے قانونی امور کو قانون گزار کی جانب سے قانون ساز ادارے کے سامنے پیش کیا کرتے ہیں۔

چونکہ شبِ قدر ہر سال آتی ہے، جو قرآن سے ظاہر ہے اور اس بات پر علمائے عامہ[1] وخاصہ متفق ہیں۔ لہٰذا بعدِ حضرت پیغمبرؐ کسی ایسی

---

[1] علمائے عامہ میں فخرالدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں سورۂ قدر کی تفسیر میں جمہور علمائے عامہ سے نقل کیا ہے کہ وہ شبِ قدر کو ہر سال ماہِ رمضان میں جانتے ہیں اس کے تعین کے بارے میں ماہِ رمضان کی راتوں میں، انہوں نے آٹھ قول نقل کئے ہیں۔ کتاب التاج الجامع للاصول میں کتاب احکام روزہ صفحہ ۷۳-۷۶ (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

ہستی کی موجودگی لازمی ہے جو نزولِ ملائکہ و روح کی قابلیت وصلاحیت رکھتی ہو۔

وہ ہستی حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ہے جن کے تمام امت میں اعلم و اکمل و افضل و ازہد ہونے پر علمائے عام و خاص کا مکمل اتفاق ہے یہ اس لئے ہے کہ خداوند عالم نے اپنی کتاب عزیز (جو اس نے اپنے پیغمبر پر نازل فرمائی) کے تمام علوم کے بارے میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام پر نظر الطاف مرحمت فرمائی جس کے متعلق تمام جمہورِ عامہ و خاصہ نے تفسیر آیہ کریمہ "من عندہٗ علم الکتاب" میں (جس کے پاس علم کتاب ہے) روایت کی ہے کہ وہ شخص حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں، جیسا کہ ہم اس کتاب کی دوسری فصل (مبحث اول) میں لکھ چکے ہیں۔

لہٰذا جو شخص علم پیغمبر و علم قرآن حاصل کرنا چاہتا ہو اس کو چاہیئے کہ ان کی طرف رجوع کرے۔ یہ اس لئے لازمی ہے کہ حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "انا مدینۃ العلم و علی بابھا" یعنی میں شہر علم ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں[1]۔

(بقیہ حاشیہ) پر علماء کے اقوال کے ساتھ بہت سی روایات درج کی ہیں کہ شب قدر ہر سال ماہِ رمضان کی آخری دس راتوں میں ہوتی ہے۔ کتاب صحیح بخاری میں جو اہلِ سنت کی کتب صحاح میں سے ہے، کے جزو اول، باب فضیلت شب قدر میں تقریباً دس روایات منقول ہیں کہ شب قدر ماہِ رمضان کی آخری دس راتوں میں ہے۔

[1] یہ روایت علمائے شیعہ و سنی دونوں نے نقل کی ہے اور مشہور شاعر فردوسی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

کہ من شہر علمم علیم در است | درست ایں سخن قولِ پیغمبر است

بحار الانوار، جلد ۳۹، صفحہ ۳۵ - ۸۸ پر بہت سی روایات صحیح و معتبر آیات مبارکہ کے ساتھ ذکر کی گئی ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام تمام انبیاء و مرسلین خصوصاً حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم، کے تمام خصائل و فضل و کمال میں شریک ہیں۔

نیز آیہ شریفہ "انفسنا" آیۂ مباہلہ، سورہ آل عمران، جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت علی علیہ السلام کو بمنزلۂ نفس پیغمبرؐ قرار دیا ہے، اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام جمیع کمالات و فضائل پیغمبرؐ کے حامل ہیں سوائے اس کے کہ صفت نبوت و رسالت میں علیؑ آنحضرتؐ کے ساتھ شریک نہیں ہیں۔ جہاں تک حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی کفر و شرک و معصیت کی نجاست سے دوری کا تعلق ہے اس کی گواہی خود خداوند عالم نے آیۂ تطہیر میں مرحمت فرمائی ہے[1] اور آپ کے فضائل و مناقب پر علمائے عامہ کا اتفاق ہے[2]

---

[1] سورۂ احزاب، آیہ ۳۳، ارشاد ہوتا ہے "انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا"۔ یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ نے ارادہ کرلیا ہے کہ اے اہلبیت آپ حضرات سے رجس و ناپاکی کو برطرف کردے اور آپ کو بالکل پاک و پاکیزہ کردے۔ مفسرین عامہ و خاصہ کا اتفاق ہے کہ اس آیہ مبارکہ میں اہل بیت سے مراد پیغمبرؐ، علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام ہیں۔

[2] علامہ امینی نے اپنی کتاب الغدیر طبع دوم، جلد ۷، صفحہ ۱۷۶، ۱۷۷، جلد ۱۰، صفحہ ۲۷۸، ۲۸۰ پر علمائے اہل سنت کی کتب سے بہت سی روایات آنحضرتؐ سے نقل کی ہیں جن میں امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی خلافت کی تصریح کی گئی ہے۔

نیز سورہ مائدہ، آیہ مبارکہ ۶۱ "انما ولیکم اللہ ورسولہ ...." میں خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ تمہارا ولی (صاحب اختیار) خدا اور اس کا (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

امیرالمومنین علیہ السلام نے بعد وفاتِ آنحضرتؐ سالِ اول کی شبِ قدر کی صبح کو لوگوں سے فرمایا: "آئندہ سال میں ہونے والے تمام واقعات کی تفصیل اللہ تعالٰے کی جانب سے مجھ پر ظاہر کر دی گئی ہے، اور میں ان سب کو جانتا ہوں، لہٰذا جو چاہو مجھ سے پوچھ لو" یہ حدیث کتاب "بصائر" وغیرہ سے نقل کی گئی ہے۔

جناب امیرالمومنین علیہ السلام کے بعد آپ کے فرزندانِ معصومین میں گیارہ حضرات، جو آئمہ حق ہیں، فرمایا کرتے تھے کہ "ملائکہ و روح شبہائے قدر میں ہم پر نازل ہوتے ہیں اور سال بھر کے تمام مقدرات و واقعات ہمیں بتا دیتے ہیں۔ لہٰذا ان سب باتوں کو ہم جانتے ہیں"۔ یہی وجہ ہے کہ آئمہ معصومین علیہم السلام فرمایا کرتے تھے؛ "اے شیعو! اپنے مخالفین کے ساتھ سورہ انا انزلنا اور سورہ حمٓ دخان سے مباحثہ کر کے اپنے مذہب

(بقیہ حاشیہ) رسولؐ ہیں اور وہ لوگ ہیں جو حالتِ رکوع میں زکوٰۃ (صدقہ) دیتے ہیں۔ مفسرین اہلِ سنت اور تشیع کا اتفاق ہے کہ یہ آیہ مبارکہ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی شان میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب آپ نے رکوع کی حالت میں اپنی انگوٹھی سائل کو عطا فرمائی تھی۔ جناب فخرالدین رازی نے جو اہلسنت کے علمائے مفسرین سے ہیں، اپنی تفسیر میں اس بات کو ثابت کیا ہے کہ اس آیہ مبارکہ میں "ولی" امور میں متصرف اور صاحبِ اختیار کے معنی رکھتا ہے۔ انہوں نے ان لوگوں کو غلط قرار دیا ہے جو "ولی" کے معنی دوست کہتے ہیں۔ پھر کتاب الغدیر، طبع دوم، جلد ۳ صفحہ ۲۱۵، ۲۱۶ پر علمائے اہلِ سنت کی کتابوں سے روایات نقل کی گئی ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے بعد علیؑ ہر مومن کے ولی ہیں۔

میں ان اسناد کی تفصیل اُن بزرگواروں کے فضائل و مناقب کے ساتھ کتاب ارکانِ دین صفحہ ۲۶-۵۱ اور کتاب ابوابِ رحمت میں درج کی ہے۔

کی حقانیت کو ثابت کیا کرو۔ خدا کی قسم! یہ دونوں سورے آنحضرتؐ کے بعد مخلوقِ خدا پر اللہ تعالےٰ کی حجت ہیں۔ کیونکہ یہ بہترین و اہم ترین امر دین کے بارے میں ارشادِ خداوندی کو پیش کرتی ہیں، ہمارے علم و کمال کی انتہا کی خبر دیتی ہیں، شبِ قدر کا ثبوت دیتی ہیں جو ہمارے لئے مخصوص ہے کہ اس رات کو ملائکہ و روح ہم پر نازل ہوتے اور ہمیں سلام کرتے ہیں۔" چونکہ شبِ قدر ہر سال متواتر واقع ہوتی ہے۔ اس لئے لازم ہے کہ اللہ کی طرف سے اس کی حجت ہمیشہ زمین پر موجود رہے جس پر ملائکہ اور روح نازل ہوتے رہیں۔ اس خصوصی مسئلہ پر فصل دہم میں روایات پیش ہوں گی۔

ہر زمانہ میں جو کچھ پروردگارِ عالم کی جانب سے امام پر وارد ہوتا ہے وہ پہلے پیغمبرؐ اور امام سابق پر نازل ہوتا ہے۔ اس کے بعد امام متاخر پر۔ یہی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے[1]

---

[1] شیخ کلینی نے کافی میں اس روایت کو سندِ صحیح کے ساتھ زرارہ سے نقل کیا ہے۔ نیز کافی میں ہی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت نے فرمایا "کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں ہوتی مگر یہ کہ پہلے وہ آنحضرتؐ کو عنایت ہوتی ہے، پھر امیر المومنین علیہ السلام کو اور اس کے بعد ہر ایک امام کو یکے بعد دیگرے ملتی رہتی ہے اس لئے کہ بعد میں آنے والا امام سابقہ امام سے زیادہ اعلم نہ قرار پائے کافی میں منقول ہے کہ علم آئمہ علیہم السلام اس طرح بڑھتا رہتا ہے۔

نویں فصل

یہ فصل جہاتِ علوم آئمہ علیہم السلام سے متعلق ہے۔ کتابِ کافی میں سندِ صحیح کے ساتھ ابو بصیر نے روایت کی ہے کہ انہوں نے خدمتِ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام میں عرض کیا: "میں آپ پر قربان! آپ کے شیعہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بابِ علم حضرت علی علیہ السلام کو تعلیم فرمایا جس سے ان پر ایک ہزار ابوابِ علم کھل گئے۔"

امام علیہ السلام نے فرمایا: "اے ابو محمد! (ابو بصیر کی کنیت) جان لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو ایک ہزار ابوابِ علم تعلیم فرمائے اور ہر باب سے ایک ہزار ابوابِ علم حضرت پر کھلے۔" [1]

---

[1] یہ مطلب بے شمار روایات میں نقل ہوا ہے جن کی تعداد حدِ تواتر سے زیادہ ہے اسی سلسلہ میں شیخ صدوق نے کتاب "خصال" کے آخر میں تیس سے زیادہ روایات درج کی ہیں۔ صفار نے کتاب "بصائر" جزو ششم، باب ۱۹ میں صحیح و معتبر اسناد کے ساتھ پندرہ روایات نقل کی ہیں۔ انہوں نے ایک روایت میں لکھا ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: "ان ابواب میں سے ایک یا دو سے زیادہ باب لوگوں تک نہیں پہنچے۔" بہت سی روایات میں ہے کہ حضرت نے فرمایا: "آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو ایک ہزار حرف تعلیم فرمائے اور ہر حرف سے ایک ہزار حرف اُن پر منکشف ہوئے۔" ابو بصیر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ان میں سے ابھی تک دو حرف سے زیادہ ظاہر نہیں ہوئے (باقی صفحہ آئندہ)

ابو بصیر کہتا ہے: "میں نے عرض کیا خدا کی قسم! اس کو کہتے ہیں، علم جس کا مطلب اس سے بھی بلند ہے۔"

حضرتؑ نے فرمایا: "ہمارے پاس جامعہ ہے اور لوگ نہیں جانتے کہ جامعہ کس کو کہتے ہیں۔"

ابو بصیر نے کہا: "میں آپ پر قربان! جامعہ کسے کہتے ہیں؟"

امامؑ نے فرمایا: "کتاب جامعہ ایک صحیفہ ہے جس کی درازی رسول اللہؐ کے ارشاد سے زیادہ ہے۔ یہ امیرالمومنین علیہ السلام کے ہاتھ سے لکھی گئی ہے اس میں حلال و حرام کے تمام احکام اور وہ باتیں لکھی ہوئی ہیں، جن کی لوگوں کو ضرورت و محتاجی ہوتی ہے۔"

ابو بصیر نے پھر عرض کیا: "خدا کی قسم! یہ ہے علم۔"

امام علیہ السلام نے فرمایا: "یہ علم تو ہے لیکن اس سے بڑھ کر بھی ہے۔" پھر تھوڑی دیر بعد حضرتؑ نے فرمایا: "ہمارے پاس جفر ہے لیکن لوگ نہیں جانتے کہ جفر کیا ہے۔"

ابو بصیر کہتا ہے، میں نے عرض کیا: "جفر کسے کہتے ہیں؟"

امام علیہ السلام نے فرمایا: "جفر ایک ظرف ہے جس میں تمام انبیاؑ و اوصیاء و دانشمندانِ بنی اسرائیل کے علوم ہیں۔" [1]

ابو بصیر کہتا ہے، میں نے کہا: "یہ ہے علم۔"

امامؑ نے فرمایا: "یہ علم تو ہے لیکن اس سے بڑھ کر بھی ہے۔" پھر فرمایا:

(بقیہ حاشیہ) نیز روایات میں ہے کہ ہزار کلمات تعلیم فرمائے اور ہر کلمہ سے ایک ہزار مزید کلمات نکلتے ہیں۔ ان روایات کی اسناد بہت ہیں جن کا میں نے مستدرک سفینہ، لغت الف و حرف میں ذکر کیا ہے۔ اس کی طرف رجوع کریں۔

[1] لفظ جفر کی تشریح میں نے مستدرک سفینہ میں لغتِ جفر کے تحت کی ہے۔

"ہمارے پاس ہے مصحف فاطمہ علیہا السلام اور لوگ نہیں جانتے کہ مصحف فاطمہ کیا ہے۔"

ابو بصیر نے عرض کیا: "مصحف فاطمہؑ کیا چیز ہے؟"

حضرت نے فرمایا: مصحف فاطمہؑ تمہارے تین قرآنوں کے برابر ہے۔"[1]

ابو بصیر نے کہا: "خدا کی قسم! یہی علم ہے۔"

امام علیہ السلام نے فرمایا: "یہ علم ہے اور اس سے بڑا اور کوئی علم نہیں۔" پھر فرمایا: "ہمارے پاس علم ہے اس چیز کا جو واقعہ ہو چکی اور اُس کا بھی جو روزِ قیامت تک واقع ہوگا۔"

ابو بصیر نے عرض کیا "میں آپ پر قربان! یہ ہے علم۔"

حضرت نے فرمایا: "علم ہے اور اس سے زیادہ اہم علم اور کوئی نہیں۔"

ابو بصیر نے پھر عرض کیا: "میں آپ پر قربان! پھر فرمائیے کہ علم ہے کیا؟"

امام علیہ السلام نے فرمایا: علم وُہ ہے جو دن رات بڑھتا رہتا ہے اور خداوند عالم کی طرف سے اس میں ہمارے لئے اضافہ ہوتا رہتا ہے۔"[2]

---

[1] کافی کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرتؐ دنیا سے تشریف لے گئے تو جناب سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی تسلی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک ملک کو بھیجا جو جناب سیدہ علیہا السلام سے آئندہ کے واقعات، آپ کے فرزندوں کو پیش آنے والے حادثات، روئے زمین پر حکومت کرنے والے بادشاہوں کے اسما بتاتا تھا جن سب کو امیر المومنین علیہ السلام نے لکھ لیا۔ اُس کتاب کا نام "مصحفِ فاطمہ" ہے۔

[2] اس روایت کو صفار نے کتاب "بصائر" جزو سوم، باب ۱۳ میں ابو بصیر نے بسند صحیح نقل کیا ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ علم آئمہ (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

دسویں فصل

یہ فصل پیغمبر و امامؑ کے لئے علم غیب کے ثبوت میں ہے۔ جاننا چاہیئے کہ غیب کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شے حواس بشر سے غائب ہو۔ پروردگار عالم کی ذات پاک بذات خود عالم غیوب ہے۔ کوئی شخص غیب کے بارے میں کچھ نہیں جانتا سوائے اس کے کہ جس قدر پروردگار عالم نے اس کو تعلیم دی ہو۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: "عالم الغیب فلا یظھر علیٰ غیبہ احداً الا من ارتضیٰ من رسول" سورہ جن ۲۶/ یعنی ذات پروردگار عالم عالم الغیب ہے۔ وہ کسی کو غیب سے آگاہ نہیں کرتا سوائے اس کے کہ جس کو اس مقام کے لئے پسند فرمائے۔ پس اس کو غیب سے آگاہ فرما دیتا ہے۔

اس بارے میں تمام مسلمانوں پر یہ بات واضح ہے کہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مقام کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندہ ہیں۔ لہٰذا اس آیت کی رو سے اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو اپنے غیب سے آگاہ فرمایا اور آپ غیب سے واقف ہیں۔ لہٰذا غیب کی ہزاروں خبریں آنحضرتؐ کے حوالے سے مسلمانوں

(بقیہ حاشیہ) میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس پر دلیل آیہ مبارکہ "وقل رب زدنی علماً" دیکھیئے کہ اے پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما) ہے۔ اس سلسلہ میں بہت سی روایات کتاب کافی کے دو ابواب میں مذکور ہیں۔ نیز "بصائر" جزو سوم، باب ۸ میں سات روایات، جزو ہفتم، باب ۷ میں سات روایات، جزو ہشتم باب ۱۰،۹ میں انیس روایات اور جزو نہم، باب ۲۰ میں نو روایات کا ذکر کیا گیا ہے۔

کے علمائے نے اپنی کتابوں میں لکھی ہے۔ اس امر کے تمام شواہد صحیح ہیں
کیونکہ ان کی دلیل خود قرآن ہے جو بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے
پیغمبر کو علم غیب سے آگاہ فرمایا۔

اس بات کی دوسری دلیل یہ ہے کہ ارشاد ہوتا ہے: "وما کان
اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء" (سورۂ
آلِ عمران/۱۷۹) یعنی "اللہ تعالیٰ تمہیں (لوگوں کو) غیب سے آگاہ نہیں
کرتا مگر اپنے انبیاء میں سے کسی کو (اس مقام کے لئے) انتخاب فرماتا
ہے۔" ظاہر ہے کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منتخب، اللہ
تعالیٰ کے برگزیدہ اور تمام پیغمبروں سے افضل ہیں۔

عالم ثقہ وجلیل القدر علی بن ابراہیم قمی نے اس آیۂ مبارکہ کی تفسیر
میں کہا ہے کہ "من ارتضی من رسول" سے حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام
مراد ہیں۔ چنانچہ علمائے اہل سنت اور تشیع دونوں نے آنحضرتؐ سے
نقل کیا ہے کہ علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں[1]

اسی طرح ثقہ وجلیل القدر قطب راوندی نے کتابؒ خرائج، کے
باب معجزات از حضرت امام رضا علیہ السلام میں ایک مفصل حدیث میں،
حضرتؑ کے سفر بطرف بصرہ کے اوصاف اور بصرہ میں قیام کے دوران
حضرتؑ کے معجزات کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اچانک ایک شخص
آگے بڑھا اور حضرتؑ کی خدمت اقدس میں عرض کیا: "ہمیں بتلایا

---

[1] علمائے اہل سنت میں بخاری، احمد بن حنبل اور دوسرے علماء نے اس روایت کو لکھا ہے،
اگر ان کے اسمار و جواز کی خواہش ہو تو بحار الانوار، طبع جدید، جلد ۳۸ صفحہ ۲۹۶، ۲۲۵-۲۲۸
کی طرف رجوع کریں۔ اس حدیث پر علمائے عامہ کا اتفاق ہے۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام
نے اس حدیث کو ہارون الرشید کے سامنے بیان کیا اور شیخ صدوق نے اسے عیون کے باب میں نقل کیا ہے۔

گیا ہے کہ آپ وہ سب کچھ جانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ پر نازل فرمایا اور دنیا کی تمام زبانوں سے آشنا ہیں۔"

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: "ایسا ہی ہے۔ لوگوں نے ٹھیک کہا ہے۔ تم لوگ جو چاہو مجھ سے پوچھ سکتے ہو۔"

لوگ چلے گئے اور ہند و فارس و روم و ترک کے رہنے والوں کو لے کر واپس آئے۔ ہر شخص نے اپنی زبان میں سوال کئے۔ امام علیہ السلام نے ہر ایک کو خود اُس کی زبان میں جواب دیا۔ وہ لوگ متحیر و متعجب رہ گئے اور حضرت کے فضل و کمال کا اقرار کیا۔ اس کے بعد حضرت نے اس شخص سے کہا: "اگر میں تجھے خبر دوں کہ آئندہ چند روز میں تو اپنے کسی رشتہ دار کے خون بہانے میں مبتلا ہو گا تو کیا تو اس میں میری تصدیق کرے گا؟"

اس شخص نے کہا: "میں تصدیق نہیں کرتا کیونکہ غیب کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں۔"

حضرت نے فرمایا: "کیا تو یہ نہیں جانتا کہ خداوندِ عالم نے ارشاد فرمایا: "عالم الغیب فلا یظھر علیٰ غیبہ احدًا الا من ارتضیٰ من رسول۔" یعنی، خدا عالم الغیب ہے۔ کسی کو غیب سے آگاہ نہیں کرتا مگر اس کو جسے اپنے تمام رسولوں میں سے اس مقام کے لئے پسند کرتا ہو۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اللہ کے نزدیک اس مقام کے لئے پسندیدہ ہیں اور ہم اسی پیغمبرؐ کے وارث ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے غیب سے آگاہ فرمایا۔ لہٰذا ہم جانتے ہیں جو کچھ کہ ہو چکا ہے اور جو کچھ قیامت کے دن تک ہونے والا ہے۔ جو موضوع ابتلا میں نے تجھے بتایا ہے پانچ دن تک واقع ہو گا۔ پھر یہ کہ تو چند دن تک نابینا ہو جائے گا، جھوٹی قسم کھائے گا اور پھر واپس ہو گا۔"

راوی کہتا ہے کہ خدا کی قسم! جو کچھ آپ نے فرمایا تھا وہی واقع ہوا۔[1]

شیخ طبرسی نے کتاب احتجاج میں حدیثِ احتجاج امیرالمومنین درج کی ہے جس کو حضرتؑ نے اس شخص سے فرمایا تھا جو خیال کرتا تھا کہ قرآن میں تناقض ہے۔ اس بحث میں حضرتؑ نے ارشاد فرمایا "اللہ تعالےٰ کے کچھ اولیاء وامین ہیں جن کا خود خدا نے مخلوق سے تعارف کروایا ہے، ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت کی طرح واجب قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی اللہ تعالےٰ نے روح القدس سے تائید فرمائی ہے اور مخلوق پر ان کے اقتدار کو علم غیب کے ساتھ قائم فرمایا، جیسا کہ اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے۔ عالم الغیب فلا یظہر علیٰ غیبہٖ احداً الا من ارتضیٰ من رسول"

سائل نے پوچھا: "یہ لوگ کون ہیں؟"

حضرتؑ نے فرمایا: "یہ ہیں اللہ کے رسولؐ اور اللہ کی وہ برگزیدہ ہستیاں جو پیغمبرؐ کے جانشین ہیں۔ یہ وہ ہیں جن کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنی اور اپنے پیغمبرؐ کی اطاعت قرار دیا ہے یہی لوگ صاحبانِ امر ہیں جن کے لئے قرآن میں ارشاد ہے: "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم" یعنی اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی اور صاحبانِ امر کی جو تمہیں میں سے ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: "ولو ردوہ الی الرسول والیٰ اولی الامر منہم لعلمہ الذین یستنبطونہ منہم" یعنی جس چیز میں اختلاف ہو اگر اس کو لے

---

[1] روایت مفصل ہے اور خرائج و بحار کمپانی، جلد ۱۲، صفحہ ۲۱ و جلد ۹ صفحہ ۳۰۷۔ ۸۱ میں خرائج سے مکمل نقل ہوئی ہے۔

کہ رسول و صاحبانِ امر کی طرف رجوع کریں تو اُن کی مشکل آسان ہو جائے گی۔"

سائل نے عرض کیا: "وہ امر کیا ہے (جس کے صاحبان یہ امتیاز رکھتے ہیں) ؟"

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: "وُہ امر وُہ ہے جس کی خاطر شب قدر میں ملائکہ اُن (صاحبانِ امر) پر نازل ہوتے ہیں۔ شب قدر وہ ہے جس میں تمام امور حکمتِ خداوندی کے مطابق مقدر ہو جاتے ہیں۔ ان امور میں خلقت و رزق و موت و حیات و اجل و آسمانوں اور زمینوں کا علم غیب اور معجزات وغیرہ شامل ہیں۔"

سید بن طاؤس نقل کرتے ہیں کہ جب ہشام بن عبدالملک بن مروان نے حضرت محمد باقر و امام جعفر صادق صلوات اللہ علیہما کو شام میں طلب کیا تو وُہ تیر اندازی میں مشغول تھا۔ اس نے حکم دیا کہ امام محمد باقر علیہ السلام بھی تیر اندازی کریں۔ پھر حضرت کو نو عدد تیر دیئے گئے حضرت نے لے کر ایک تیر نشانہ کی طرف پھینکا۔ وہ وسطِ نشانہ میں پیوست ہو گیا۔ دوسرا تیر پہلے تیر کے وسط میں شگاف کر کے اس میں پیوست ہو گیا۔ تیسرا تیر دوسرے تیر میں پیوست ہوا۔ حتیٰ کہ نواں تیر اسی طرح آٹھویں تیر کے وسط میں جا لگا۔ سب لوگ متحیر و متعجب ہوئے ہشام شرمندہ ہوا اور بولا "ہم نے ایسی تیر اندازی کبھی نہیں دیکھی۔ کیا آپ کے فرزند جعفرؑ بھی اسی طرح تیر اندازی کر سکتے ہیں"؟

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: "ہمیں پیغمبرؐ سے یہ کمال ورثہ میں ملا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ کو حکم فرمایا کہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو اپنے علوم و کمالات کے لئے مخصوص قرار دیں اور اس کے ثبوت میں اس موضوع پر اللہ نے اپنے کلام مجید

میں ارشاد فرمایا: "وتعیھا اذن واعیۃ" (اس کو یعنی علوم کو ضبط وحفظ کر لیتا ہے۔ ضبط کرنے والا گوش نگہ دار)۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحاب کرام سے فرمایا، میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ وہ اس کان کو علی ابن ابی طالب کا کان قرار دے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب نے کوفہ میں ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ایک ہزار ابواب علم تعلیم فرمائے۔ جس کے ہر باب سے ایک ہزار ابواب اور مجھ پر واضح ہوئے۔ پس ان کو آنحضرتؐ نے اپنے اسرارِ خفیہ کے لئے مخصوص فرمایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو مخصوص کیا تھا۔ وہ سب رموز ہم تک پہنچے ہیں۔ کسی دوسرے تک نہیں۔"

ہشام نے کہا: "علی ابن ابی طالب دعویٰ کرتے تھے کہ وہ عالم غیب ہیں حالانکہ خدا نے کسی کو اپنے غیب سے آگاہ نہیں کیا۔ پھر کس لئے وہ علم غیب کا دعویٰ کرتے تھے؟"

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا "خداوند تعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ پر ایک کتاب نازل فرمائی۔ جس میں اس کے بارے میں بیان فرمایا کہ جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے۔ چنانچہ اللہ نے کلام مجید میں ارشاد فرمایا "ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیئ" (ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی جس میں ہر چیز کا بیان ہے) یہ بھی فرمایا وکل شیئ احصینہ فی امام مبین (اور ہم نے ہر چیز کو امام مبین میں ضبط و احصار فرمایا)۔ پھر فرمایا "ما فرطنا فی الکتاب من شیئ" (ہم نے کتاب میں کسی چیز کو مخفی نہیں رکھا) پھر خداوند عالم نے اپنے پیغمبرؐ کو وحی فرمائی کہ اسرار و علوم و غیب میں کوئی چیز باقی نہ رکھیں مگر یہ کہ سب کچھ علی ابن ابی طالبؑ کو تعلیم فرما دیں۔ پس کسی کے پاس علی

ابن ابی طالب علیہ السلام کے سوا علم قرآن وتاویل قرآن نہیں ہے[1]

علی ہذا القیاس امام دہم حضرت علی الہادی صلوات اللہ علیہ نے زیارت جامعہ کبیرہ آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کے اوصاف میں فرمایا: "وارتضاکم لغیبہ واختارکم لسرہ واجتباکم بقدرتہ"[2] یعنی اے آلِ محمدؐ! خداوندِ عالم نے آپ کو اپنے غیب کے لئے پسند فرمایا (اس میں شاید پہلی آیۂ مبارکہ "فلا یظہر علی غیبہ احداً الا من ارتضیٰ من رسول" کی طرف اشارہ ہے) اللہ نے آپ کو اپنے اسرار سپرد کرنے کے لئے اختیار فرمایا اور اپنی قدرتِ کاملہ سے آپ کو برگزیدہ فرمایا۔ (اس سے شاید آیۂ مبارکہ "ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء" کی طرف اشارہ

---

[1] اس پوری حدیث کو بحار الانوار کمپانی جلد ۱ صفحہ ۸۸، جلد ۴، صفحہ ۲۰۷، جلد ۷، صفحہ ۱۸۱ اور کتاب کفر صفحہ ۲۴ میں نقل کیا گیا ہے۔ امام نے اثباتِ علم غیب برائے امیرالمومنین علیہ السلام کے بارے میں ہشام کے سامنے ان تین آیاتِ مبارکہ سے استدلال فرمایا اور تینوں آیات کی شرح اوپر گزر چکی ہے۔

[2] اس زیارت کو شیخ صدوق نے کتاب شریف "من لا یحضرہ الفقیہ" اور "عیون اخبار الرضا" میں لکھا ہے۔ شیخ طوسی نے اسے "تہذیب" میں نقل کیا ہے اور علامہ مجلسی نے بحار میں اس زیارت اور اس کی شرح لکھنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ یہ زیارت سند کے اعتبار سے صحیح ترین زیارات ہے اور موارد کے اعتبار سے مکمل ترین ہے (یعنی تمام بارہ اماموں کے لئے پڑھی جا سکتی ہے) یہ الفاظ کے اعتبار سے فصیح ترین اور معنی ومتن کے لحاظ سے بلند ترین اور درجاتِ معرفت کے لئے سب سے زیادہ رسائی رکھتی ہے۔ حقیر کہتا ہے کہ جیسا آپ نے سنا زیارت کی سند بلند وصحیح ہے اور زیارت کا متن اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ یہ معصوم علیہ السلام کی طرف سے صادر ہوئی ہے۔ اس کے تمام کلمات صحیح روایات کے مطابق ہیں۔

ہے)۔ پھر امام علیہ السلام نے کلمہ "بقدرتہ" سے اپنے دوستوں اور شیعوں کے درمیان فاصلہ کو دور فرمایا۔

اِن دلائل کی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالٰے ہر چیز پر قادر ہے تو یہ قدرت بھی رکھتا ہے کہ امام کو علم غیب مرحمت فرما کر لطف فرمائے روایات سے ثابت ہے کہ ہم نے ہر چیز کا علم وجودِ امام میں ضبط کر دیا گیا ہے اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام مقام علم غیب کے لئے ہمارے پسندیدہ حضرات ہیں۔

کتاب کافی کے باب" ان امور کا ذکر جو امامت کا ثبوت مہیا کرتے ہیں" میں ابو بصیر نے حضرت ابوالحسنؑ یعنی حضرت امام موسیٰؑ بن جعفر علیہما السلام سے علاماتِ امام کے بارے میں روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا "امام آئندہ کی خبریں دیتے ہیں اور دنیا کی ہر زبان ولغت میں کلام کر سکتے ہیں.....الخ"[1]

نیز کافی ہی کے باب "تصریح ونص خدا ورسولؐ پر امامانِ حقؑ" میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حدیثِ ولایت کے ضمن میں آپ نے فرمایا: "خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے امین تھے مخلوق پر، غیبِ پروردگار پر اور اللہ کے پسندیدہ دین کے لئے۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو امیرالمومنین علیہ السلام کو طلب فرمایا اور ارشاد کیا: یا علی میں چاہتا ہوں کہ غیب و علم و دین کے متعلق جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھے سپرد فرمایا ہے وہ میں آپ کے سپرد کر دوں۔" امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں "خدا کی قسم! آنحضرتؐ نے کسی

---

[1] یہ روایت حمیری کی "قرب الاسناد" اور صدوق کی "معانی الاخبار" سے اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل ہوئی ہے۔

فرد کو اس بات میں شریک نہیں فرمایا۔" پس جب امیرالمومنین علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے اپنے صاحبزادوں کو جمع فرمایا اور ارشاد کیا: "تمہیں چاہیے کہ حسن و حسین علیہما السلام کے مطیع و فرمانبردار رہو۔ اور جان لو کہ آنحضرتؐ نے غیب و علم و دین کے متعلق جو کچھ میرے سپرد فرمایا تھا میں وہ سب اپنے ان فرزندوں حسن و حسین علیہما السلام کے سپرد کرتا ہوں" پس اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے لئے امیرالمومنین علیہ السلام کی جانب سے وہ سب کچھ قرار دیا جو آنحضرتؐ کی جانب سے امیرالمومنین علیہ السلام کے لئے قرار دیا تھا۔

اسی باب میں کلینی نے بسندِ صحیح ابوحمزہ ثمالی کے ذریعہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: "جب آنحضرت کے عالمِ آخرت کی طرف انتقال کا وقت قریب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ پر وحی نازل فرمائی: اے محمدؐ! صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم! آپ نے اپنا فرض پورا کر دیا اور اب دنیا میں آپ کے قیام کا وقت پورا ہو گیا لہٰذا جو علم بھی آپ کے پاس ہے اور ایمان و اسم اعظم و میراث علم و آثارِ نبوت و رسالت کو علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے سپرد کر دیں کیونکہ میں یہ سب کچھ آپ کے فرزندوں یعنی معصومین علیہم السلام سے ہرگز منقطع نہ کروں گا۔۔۔۔ الخ"

کافی کے اسی باب میں عبدالحمید کے ذریعہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جن تمام مستضعفین کا قرآن میں تعارف کرایا گیا ہے وہ لوگ ہیں جو اسم اعظم کے حافظ ہیں۔ اسم اعظم ایک کتاب ہے جس کی مدد سے وہ تمام چیزوں کا علم رکھتے ہیں۔ یہ سب علم تمام مرسلین کے پاس تھا چنانچہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے ولقد ارسلنا رسلا من

قبلك و انزلنا معهم الكتاب والميزان" یعنی ہم نے زمانۂ ماضی میں رسولوں کو بھیجا اور ان کے ہمراہ کتاب و میزان کو نازل فرمایا اور کتاب اسم اکبر ہے۔ پھر فرمایا: "جبرئیل نازل ہوا اور عرض کیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ نے اپنے فرض کو ادا کر دیا اور آپ کی دنیوی زندگی کے ایام ختم ہوئے۔ پس اسم اکبر و میراث علم و آثارِ علم نبوت کو علی بن ابی طالب علیہ السلام کے حوالے کر دیں۔" چنانچہ آنحضرتؐ نے ایسا ہی کیا اور انہیں ہزار کلمہ و ہزار باب تعلیم فرمائے کہ ہر کلمہ اور ہر باب سے ہزار کلمہ و ہزار باب آپ پر کھل گئے[1]

کافی ہی کے باب "امتیازات امام حق از امام باطل" میں منقول ہے کہ حبابہ والبیہ نے امیرالمومنین علیہ السلام سے پوچھا کہ دلیل امامت کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا "وہ سنگریزہ اٹھا کر میرے پاس لے آ" اس نے وہ سنگریزہ حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنی انگشتری کو اس پتھر کے ٹکڑے پر مارا۔ اس پتھر پر انگشتری کا نشان پڑ گیا۔ آپ نے فرمایا: "جو کوئی امامت کا دعوت کرے اور میری طرح اپنی انگشتری کو اس پتھر پر مارے اور اس کا نشان پتھر پر ظاہر ہو جائے تو وہ امام حق ہو گا۔ یہ بھی جان لے کہ امام جو بھی چاہے اس پر مخفی نہیں ہوتا۔"

حبابہ کہتی ہے "امیرالمومنین علیہ السلام کی وفات کے بعد میں حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی خدمت میں، ان کے بعد خدمتِ حضرت

---

[1] یہ روایت کتاب "بصائر" کے جزو نہم باب ۲۲ میں نقل کی گئی ہے۔ باب ۱۲ جزو ششم کے باب کہ "علم پیغمبر آئمہ کو پہنچا ہے" میں اس کے متعلق چار روایات مذکور ہوئی ہیں۔ جزو ہفتم باب ۸ میں بھی اس موضوع پر روایات کو نقل کیا گیا ہے۔

سید الشہداء علیہ السلام میں پہنچی۔ اُن دونوں نے اپنی اپنی انگشتری کو اس سنگریزہ پر مارا تو اس کا نشان پتھر پر آگیا۔"

پھر حبابہ خدمتِ امام سید الساجدین علیہ السلام میں حاضر ہوئی اس وقت اس کی عمر ایک سو تیرہ سال ہو چکی تھی۔ امام علیہ السلام کے ہاتھ کے اشارہ سے اس کی جوانی کی عمر پلٹ آئی۔ آپ نے اس سے وہ پتھر طلب فرمایا۔ اور اس پر اپنی انگوٹھی کو مارا تو اس کا نقش پتھر پر اتر آیا۔ اس کے بعد حبابہ باری باری خدمتِ امام محمد باقر، امام جعفر صادق، امام موسیٰ کاظم اور امام رضا صلوات اللہ علیہم اجمعین میں پہنچی ان پر امام نے یکے بعد دیگرے اپنی انگشتری کو اس پتھر پر مارا تو ان کے اجداد بزرگواران کی طرح انگشتریوں کے نقش پتھر پر اترتے چلے گئے۔ حبابہ نے حضرت امام رضا علیہ السلام کے زمانہ میں دنیا سے رحلت کی۔ حضرت امام رضا علیہ السلام نے اپنا پیراہن اس کے کفن کے لئے مرحمت فرمایا۔[۱]

کافی کے باب "نکات در ولایت" میں بسندِ صحیح ابی عبیدہ حذاؑ کے ذریعہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آیہ مبارکہ: "ورحمتی وسعت کل شیئ" کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ اس سے علم امام مراد ہے اور چونکہ علمِ امام علم پروردگار سے ہے لہٰذا امام ہر چیز کو احاطہ کئے ہوئے ہوتا ہے۔

کافی نے باب "میلاد حضرت عسکری علیہ السلام" میں نصیر خادم سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے چند مرتبہ دیکھا کہ امام حسن عسکری

---

[۱] اس روایت کو صدوق نے کتاب "کمال الدین" میں اور علامہ مجلسی نے اس کو بحار کی جلد ۱۱، صفحہ ۹ اور مکمل طور پر جلد ۷، صفحہ ۲۲۴ و جلد ۴۶، صفحہ ۲۷ پر نقل کیا ہے۔

علیہ السلام ترک غلام سے ترکی زبان میں، رومی غلام سے رومی زبان میں اور ہر غلام سے خود اس کی زبان میں کلام فرماتے تھے۔ میں نے تعجب کیا اور سوچنے لگا کہ امام علیہ السلام مدینہ میں پیدا ہوئے اور کسی جگہ گئے بھی نہیں تو کس طرح اتنی زبانیں جانتے ہیں۔ اچانک امام علیہ السلام نے میری طرف رُخ کیا اور فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں امام کو ممتاز قرار دیا ہے اور اس کو تمام زبانوں، لوگوں کے انساب، اجل، اور حوادثِ روزگار کا علم مرحمت فرمایا۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو حجتِ خدا اور دیگر لوگوں میں کوئی فرق نہ رہتا[1]۔

ثقۂ جلیل عیاشی نے اپنی تفسیر میں سورۂ حجر کے تحت ابی بصیر کے واسطے سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ امام جو کچھ کہتا ہے خدا کی طرف سے کہتا ہے اور وہ جو بھی چاہے کوئی چیز اس پر مخفی نہیں رہتی۔

ثقۂ جلیل القدر ابن قولویہ قمی نے اپنی کتاب "کامل الزیارۃ" کے آخر میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن بکیر مکہ کے راستہ میں خدمتِ امام جعفر صادق علیہ السلام میں حاضر تھا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: "ہم دیکھتے ہیں جو کچھ کہ اور لوگ نہیں دیکھتے۔ وہ کچھ سنتے ہیں جو دوسرے لوگ نہیں سنتے۔ ملائکہ ہم پر نازل ہوتے ہیں۔ اور آئندہ کی خبریں ہمیں پہنچاتے ہیں۔ جو کچھ جس جگہ سے ہم چاہیں وہ ہمارے لئے لے آتے ہیں۔ تمام زمینوں کی خبریں اور جو کچھ زمین پر واقع ہوتا ہے ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔"

جب بات یہاں تک پہنچی تو میں نے عرض کیا: میں آپ پر قربان!

---

[1] یہ روایت شیخ مفید کی "ارشاد" میں بھی درج ہے۔

کیا امام مشرق و مغرب کے درمیان سب کچھ دیکھ لیتا ہے؟
امام علیہ السلام نے فرمایا: "کس طرح ممکن ہے کہ وہ اللہ تعالٰے کی طرف سے مخلوق پر گواہ ہو اور انہیں دیکھتا نہ ہو...." ا

بعض روایات میں ہے کہ حضرات امیرالمومنینؑ، سیدالشہداؑ، امام زین العابدینؑ، امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادق صلوات اللہ علیہم نے فرمایا کہ "اگر آیہ مبارکہ "یمحو اللّٰہ ما یشاء و یثبت" نہ ہوتی تو ہم تمہیں بتا دیتے کہ قیامت کے دن تک کیا کچھ ہونے والا ہے[1] یعنی ہم ان تمام امور کا علم رکھتے ہیں جو مقدر ہو چکے۔ لیکن چونکہ اللہ تعالٰے غیر حتمی مقدرات کو تبدیل فرما دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے محو فرما دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اثبات فرماتا ہے، ہم ان کی خبریں نہیں دے سکتے۔"

کتاب کافی کے باب "بداء" میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: "اللہ تعالٰے نے اپنے پیغمبرؐ کو بتلایا جو کچھ کہ ازل سے واقع ہو چکا اور جو کچھ ابد تک واقع ہو گا۔ ان کو واقعات حتمی کی خبر دی گئی ہے۔"

ثقۂ جلیل "کشی" نے اپنے رجال صفحہ ۲۲۸ پر لکھا ہے کہ سلیمان بن خالد نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا "کیا امام کو ان واقعات کا علم ہوتا ہے جو دن کے دوران واقع ہوتے ہیں؟
امام علیہ السلام نے فرمایا "اس کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ و آلہ

---

[1] اس روایت کو بحار کے باب "بداء" میں آٹھویں امام کے قریب کی اسناد سے، شیخ طوسی نے بسند صحیح آٹھویں امام سے طبرسی نے احتجاج میں صدوق نے امالی اور توحید میں امیرالمومنینؑ سے اور عیاشی نے زرارہ کے ذریعہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے۔

وسلم کو نبوت پر مبعوث فرمایا اور اُن کو اپنی رسالت سے برگزیدہ فرمایا امام جانتا ہے جو کچھ کہ دن اور مہینہ اور سال میں واقع ہوگا کیا تو نہیں جانتا کہ شب قدر میں روح امام پر نزول ہوتا ہے۔ پس امام کو معلوم ہو جاتا ہے جو کچھ سال آئندہ تک واقع ہونا ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ شب و روز میں ہونے والا ہے۔ اور ابھی دو چور یہاں آئیں گے۔"

راوی کہتا ہے تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ دو شخص اس طرف پہنچے۔ حضرت نے اپنے غلاموں سے فرمایا کہ ان دو شخصوں کو پکڑ لاؤ۔ حضرت نے ان سے پوچھا: "تم نے چوری کی ہے؟" انہوں نے انکار کیا اور قسم کھائی۔ حضرت نے ان سے کہا: "اگر تم چوری کا مال خود لے کر نہ آئے تو میں اپنے غلاموں کو بھیجوں گا کہ وہ اس مال کو جہاں تم نے چُرا کر چھپایا ہے، جا کر لے آئیں۔" انہوں نے پھر انکار کیا۔ امام علیہ السلام نے حکم دیا کہ ان دونوں چوروں کو باندھ دیں تاکہ یہ بھاگ نہ سکیں اور سلیمان کو مکمل نشانی دے کر بھیجا۔ وہ چوری کا مال لے آئے ایک دوسری چمڑے کی زنبیل کے ساتھ جو صندوق کے مانند تھی اور اس میں چوری کا مال تھا۔ امام علیہ السلام نے سلیمان سے کہا کہ ہم کل مدینہ میں ہوں گے اور تم وہاں عجیب چیزیں دیکھو گے۔ جب آپ مدینہ پہنچے تو دیکھا کہ حاکم مدینہ نے کچھ لوگوں کو چوری کے الزام میں پکڑا ہوا ہے۔ امام علیہ السلام نے کہلا بھیجا کہ یہ چور نہیں ہیں۔ اس مال کے چور میرے پاس ہیں۔" پس لوگ چوروں کو لے آئے اور اُن کے ہاتھ کاٹے گئے۔ پھر امام نے حاکم مدینہ سے فرمایا: "چند دنوں تک ایک شخص آئے گا اس کا مال بھی چوری ہوا ہوگا۔ اس کو میری طرف بھیج دینا۔" چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ مال اس کے مالک کی طرف لوٹا دیا گیا۔[1]

---

[1] یہ واقعہ مناقب شہر آشوب میں بھی مذکور ہے۔

کتاب خرائج میں راوندی لکھتا ہے کہ حضرت امام موسیٰ ابن جعفر علیہما السلام اپنے حبشی، خراسانی اور چینی غلاموں کے ساتھ خود اُن کی زبان میں کلام فرماتے تھے۔ لوگ تعجب کرتے تو آپ فرماتے: "یہاں کیفیت عجیب تر ہے۔ امام ہر صاحب روح، انسان ہو یا حیوان، کی زبان جانتا ہے اور امام پر کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی۔"

صدوق نے کتاب عیون، باب ۴۷ میں سند صحیح سے عبداللہ بن محمد ہاشمی سے روایت کی ہے۔ وہ کہتا ہے "ایک روز میں مامون الرشید کے پاس گیا۔ اس نے مجھے اپنے نزدیک بٹھایا اور دوسروں کو باہر نکال دیا۔ کھانا کھلانے کے بعد ہمیں خوشبو و عطر لگایا گیا۔ پھر اس نے ایک شخص کو بلایا کہ حضرت امام رضا علیہ السلام کی مصیبت کا مرثیہ پڑھے۔ جب مرثیہ پڑھا گیا تو اس نے گریہ کیا اور کہا بنی ہاشم مجھے ملامت کرتے ہیں کہ میں نے علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام کو اپنا ولی عہد بنایا۔ میں چاہتا ہوں کہ تیرے سامنے ایک حدیث بیان کروں جس سے تجھے تعجب ہو۔ ایک دن میں حضرت کے پاس آیا اور کہا، میں آپ کے قربان! آپ کے والد بزرگوار حضرت موسیٰ بن جعفر و جعفر بن محمد و محمد بن علی اور علی بن الحسین علیہم السلام جانتے تھے جو کچھ کہ ہو چکا ہے اور جو کچھ قیامت کے دن تک ہو گا۔ آپ ان کے وصی و وارث ہیں اور اُن کا علم آپ کے پاس ہے۔ میں آپ سے ایک حاجت رکھتا ہوں۔"

حضرتؑ نے فرمایا: "اپنی حاجت بیان کرو۔"

میں (مامون) نے کہا: "میری ایک کنیز ہے جو مجھے بہت عزیز ہے، وہ چند بار حاملہ ہو چکی ہے اور ہر بار بچہ ساقط کر دیتی ہے۔ آپ حکم فرمائیں کہ حمل سلامت رہے اور ساقط نہ ہو۔"

امام علیہ السلام نے فرمایا: "خوف نہ کھا۔ اس مرتبہ سالم رہے گا اور ساقط نہیں ہوگا۔ اس سے ایک بیٹا پیدا ہوگا جو اپنی ماں سے بہت زیادہ مشابہ ہوگا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں ایک چھوٹی انگلی زائد ہو گی اور دوسری چھوٹی انگلی اس کے بائیں پاؤں میں زیادہ ہو گی اور ان میں کوئی لنگڑی ہوئی نہ ہو گی"۔[۱]

مامون نے کہا: "بالکل وہی کیفیت ہوئی جیسے آپ نے فرمایا تھا"۔

ابن شہر آشوب نے اپنی کتاب "مناقب" میں عتاب سے روایت کی ہے کہ متوکل نے عتاب کو مدینہ بھیجا کہ حضرت امام ہادی علیہ السلام کو لے آئے۔ عتاب نے سنا کہ شیعہ کہتے ہیں کہ امام علم غیب جانتے ہیں۔ عتاب کہتا ہے مجھے اس میں شک تھا۔ جب مدینہ سے روانہ ہوئے تو راستہ میں میں نے دیکھا کہ گرم موسم میں جب کہ بادل بھی نہ تھا، امام علیہ السلام نے اونی لباس پہن رکھا ہے۔ میں نے اس پر تعجب کیا تھوڑی دیر گزری تھی کہ میں نے دیکھا بادل نمودار ہوا اور بارش ہونے لگی۔ عتاب کہتا ہے یہ اس بات کی پہلی علامت تھی کہ آپ غیب کا علم جانتے ہیں۔

کچھ راستہ اور طے کیا۔ میرا دل گھبرانے لگا۔ امام نے فرمایا "کیوں تیرا دل گھبراتا ہے؟"

میں نے عرض کیا: "میں نے متوکل کے سامنے کچھ حاجات پیش کی تھیں"۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: "تیری حاجات پوری ہو چکی ہیں"۔

عتاب کہتا ہے کہ زیادہ فاصلہ طے نہیں ہوا تھا کہ میری حاجات

---

[۱] اس خبر کو بطور اختصار ابی ہاشم جعفری کی کتاب خرائج میں درج کیا گیا ہے۔

کے پورا ہونے کی خوشخبری مجھ تک پہنچی۔ عتاب نے خدمت امام میں حاضر ہو کر عرض کیا: "لوگ کہتے ہیں کہ آپ غیب سے واقف ہیں۔ اس میں دو علامتیں مجھ پر ظاہر ہو چکی ہیں"

یہ حقیر (مصنف کتاب) کہتا ہے کہ امام علیہ السلام کی خاموشی اور (عتاب کی طرف سے) ان دو علامتوں کا اظہار ہمارے مطلب کو ثابت کر رہا ہے۔

نیز کتاب مناقب میں منقول ہے کہ ایک روز خلیفہ عباسی ایک بڑی جماعت کے ساتھ بہار کے موسم میں گرم ہوا میں گرمی کا لباس پہنے ہوئے جنگل کی طرف روانہ ہوا۔ ایک شخص نے، جو حضرت امام ہادی علیہ السلام کی امامت پر شک رکھتا تھا، نے دیکھا کہ امام سردی کے لباس میں ایک مخصوص ہیئت کے ساتھ صحرا کی طرف روانہ ہوئے لوگوں نے تعجب کیا۔ جب صحرا میں پہنچے تو زیادہ دور نہ گئے تھے کہ بہت بڑا بادل ظاہر ہوا۔ اتنی زیادہ بارش ہوئی کہ لوگوں کے جسم و لباس پانی میں بھیگ گئے۔ لیکن امام علیہ السلام محفوظ رہے۔ وہ شخص بولا: قریب ہے کہ حضرت کی امامت ثابت ہو جائے۔ میں نے سوچا کہ اگر امام میرے سامنے پہنچ کر اپنی صورت مبارک کو کھولیں گے تو وہ امام ہی ہوں گے اور میں ان سے اس لباس کے بارے میں پوچھوں گا جو جنب حرام کے پسینہ سے بھیگا ہو"

وہ شخص کہتا ہے: "جب امام میرے سامنے پہنچے تو اپنے چہرہ مبارک کو کھولا اور فرمایا: اس لباس کے ساتھ جو جنب حرام پسینہ سے بھیگا ہو، نماز جائز نہیں۔ لیکن جنابت اگر حلال ہو تو جائز ہے۔ پس میں نے آنحضرت کی امامت پر یقین کر لیا"[1]

---

[1] حدیث کے آخری حصہ کو، جس کا تعلق جنب کے پسینہ سے (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

ایک مفصل روایت میں ہے کہ حضرت امام ہادی علیہ السلام نے ایک شخص سے فرمایا: "اگر عالم آلِ محمدؐ چاہے تو تجھے خبر دے سکتا ہے کہ تُو نے رات کس طرح گذاری۔ یہ سب اخبار اللہ تعالےٰ کے اذن سے بتائے جاتے ہیں۔ خداوند تعالےٰ کسی کو اپنے غیب سے آگاہ نہیں کرتا سوائے اس کے جس کو وہ اپنے رسولوں میں سے اس مقام کے لئے پسند فرمائے۔" پھر فرمایا: "جو کچھ رسول جانتے ہیں وہ اُن کے اوصیاء بھی جانتے ہیں کیونکہ زمین کبھی حجتِ خدا سے خالی نہیں ہوتی۔" [۱]

سید بن طاؤس نے محمد بن ہرون تعلکبری کے خط سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص جو اہل بصرہ سے تھا سامرہ میں وارد ہوا۔ اس نے دیکھا کہ امام حسن عسکری علیہ السلام گھوڑے پر سوار، سر پہ کلاہ اور کاندھے پر عبا ہے۔ وہ شخص کہتا ہے میں نے اپنے دل میں کہا بعض مسلمان کہتے ہیں کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام علم غیب جانتے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہو تو میں چاہوں گا کہ آپ اپنی ٹوپی کے اگلے حصہ کو پیچھے اور پچھلے حصہ کو آگے کر لیں۔ اچانک میں نے دیکھا کہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا شاید اتفاقاً ایسا ہوا ہے۔ پھر میں نے سوچا کہ اگر ایسا ہی ہے تو عبا کی دائیں طرف کو بائیں طرف اور بائیں طرف کو دائیں جانب کر لیں۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ ایسا ہی ہوا۔ پھر آپ میرے قریب تشریف لائے اور مجھ سے باتیں کیں۔ الخ [۲]

(بقیہ حاشیہ) ہے، دوسرے لوگوں نے بھی تھوڑے اختلاف کے ساتھ لکھا ہے۔ عرق جنب از حرام کے بارے میں مجتہدین کے احکام میں دو حدیثوں کا ذکر ہے۔

[۱] اس روایت کو بحار کیانی جلد ۱۲ صفحہ ۱۴۱ اور جلد ۱۷ صفحہ ۲۱۵ پر کتاب شریف کشف الغمہ سے نقل کیا گیا ہے۔ [۲] (حاشیہ صفحہ آئندہ)

گذشتہ روایات کی تائید اور نمونے کے طور پر جو حدِ تواتر سے بڑھ کر ہیں، امیرالمومنین اور آپ کے فرزندانِ امام حق مختصراً کچھ اخبارِ غیب کا ذکر کرتا ہوں تاکہ دوستوں کے قلوب روشن تر اور مومنین کے ایمان میں اضافہ ہو۔ میں نے تفصیل کے ساتھ ایسے واقعات رسالہ علم غیب امام میں درج کئے ہیں جو ثبوت ولایت کے ساتھ دوسری مرتبہ چھپ چکا ہے۔

اخبارات غیب جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی تعداد حدودِ احصار و شمار سے باہر ہے اور انہیں علمائے عامہ و خاصہ دونوں نے نقل کیا ہے۔

(۱) ان میں یہ بھی ہے کہ خوارج کے ساتھ جنگ شروع ہونے سے پہلے آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: "خدا کی قسم! تم میں سے دس آدمی بھی نہیں مارے جائیں گے اور دشمنوں کی جمعیت سے دس آدمی بھی زندہ

(بقیہ حاشیہ) یہ حدیث بحار کمپانی جلد ۱۲ صفحہ ۱۶۵ و جلد ۵۰ صفحہ ۲۸۱ پر نقل ہوئی ہے مناقب ابن شہر آشوب کی فصل "علم امام صادقؑ" میں صفوان بن یحییٰ سے جس کے ثقہ، عالم، کامل، عادل ہونے پر اتفاق ہے، نے امام صادق کے بعض اصحاب سے نقل کیا ہے کہ حضرت نے فرمایا: "خدا کی قسم اولین و آخرین کا علم ہمیں دیا گیا ہے۔" ایک شخص نے عرض کیا "میں آپ پر قربان! کیا آپ کے پاس غیب کا علم ہے؟" فرمایا "میں جانتا ہوں مردوں کے صلب اور عورتوں کے رحموں میں جو کچھ ہے۔ اپنے سینوں کو کھولو، اپنی آنکھوں کو بینا کرو اور اپنے قلوب میں جگہ بناؤ۔ ہم ہیں مخلوقِ خدا میں اللہ کی حجت، اور کوئی مومن قوی الایمان ہرگز اس مطلب کو اپنے دل میں جگہ نہیں دیتا سوائے اس کے جب اللہ کا حکم ہو۔ خدا کی قسم اگر میں چاہوں تو پہاڑوں پر موجود سنگریزوں کی تعداد تمہیں بتا سکتا ہوں۔"

نہیں بچیں گے۔ جنگ کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ آپ کے اصحاب میں سے نو آدمی شہید ہوئے اور دشمنوں میں سے صرف نو آدمی زندہ بچے۔[1]

(۲) اپنے ایک نامہ شریف میں جو امیر معاویہ کے نام تھا امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنی اور اپنے دو فرزندوں حسن اور حسین علیہما السلام کی شہادت کی خبر دی۔ اسی طرح معاویہ، یزید اور ابو العاص کی اولاد سے سات اشخاص کی حکومت کے متعلق بھی خبر دی۔ نیز آخری زمانہ میں سفیان کے خروج اور زمینِ بیداء میں اس کے لشکر کے زمین میں دھنس جانے کے بارے میں بھی بتلایا۔[2]

(۳) جنگ خوارج (نہروان) میں جب ایک شخص نے آکر خدمت امیرالمومنین علیہ السلام میں عرض کیا کہ خوارج نہر سے گذر آئے ہیں، تو حضرت نے فرمایا ابھی نہیں گذرے۔ پھر حضرت نے تین بار قسم کھا کر فرمایا کہ ابھی انہوں نے نہر عبور نہیں کی۔ پھر آپ نے ایک مقام کا تعین کیا

---

[1] اس حدیث کو مناقب نے ابن بطہ سے کتاب ابانہ میں اور ابو داؤد نے کتاب سنن میں درج کیا ہے۔ ابن ابی الحدید نے جو علمائے اہلسنت سے ہیں، حضرت سے متعلق بہت سے واقعاتِ غیب تحریر کئے ہیں۔ چنانچہ محدث قمی نے سفینہ میں ان سے روایت کی ہے۔ بحار میں بھی ان سے روایت کی گئی ہے۔

[2] یہ سب بحار کمپانی جلد ۸، صفحہ ۵۵۹ میں مذکور ہے۔ ایسی اور بہت سی خبریں بحار جلد ۹ صفحہ ۵۷۷، اخبارات غیبی امیرالمومنینؑ کے باب میں درج کی گئی ہیں۔ نیز طبع جدید، جلد ۴۱، صفحہ ۲۸۳ پر ان روایات کی تشریح کی گئی ہے۔ مناقب ابن شہرآشوب طبع جدید، جلد ۲، صفحہ ۲۵۷-۲۶۹، فصل، اخبارات غیبی امیرالمومنینؑ میں بہت سی روایات علمائے عامہ و خاصہ کی کتب سے نقل کی گئی ہیں۔ مناقب صفحہ ۲۶۹-۲۷۶ فصل اخباراتِ امیرالمومنینؑ میں لوگوں کی اموات، بلیات اور اعمال کی مفصل خبریں بیان کی گئی ہیں۔

اور فرمایا کہ وہ سب اس جگہ مارے جائیں گے۔ اس کے بعد پھر چند لوگ آئے اور یہی کہا لیکن حضرت نے فرمایا کہ خوارج نے نہر عبور نہیں کی۔ تحقیق کمال کے بعد حضرت کی بات کی صداقت ظاہر ہو گئی اور خوارج نو آدمیوں کے سوا سب وہیں مارے گئے۔ جو لوگ اس جنگ کی اصلیت کے لئے حضرت کے اخبارِ غیبی کے باعث شک میں تھے ان کے شکوک رفع ہو گئے۔[1]

(۴) فتنۂ بنی امیہ اور اپنی شہادت کی خبروں کو حضرت نے مکرر ارشاد فرمایا۔ نیز فرمایا کہ میں رازِ قیامت تک کے ہر اس اجتماع کے متعلق جانتا ہوں جس میں تین سو یا اس سے زیادہ لوگ ہوں گے۔ میں ان اجتماعات کے برپا کرنے والوں، مدبروں اور مفتروں کو بھی جانتا ہوں۔ ان زمینوں سے بھی واقف ہوں جن پر بڑی بڑی عمارتیں تعمیر ہوں گی وہ کس زمانہ میں بنیں گی اور کب ویران ہو جائیں گی۔[2]

(۵) حضرت امیر المومنین علیہ السلام اپنے خطبہ "لؤلؤیہ" میں بغداد کی بنیاد پڑنے اور سلطنت بنی عباس کے تمام فرمانرواؤں کے متعلق بیان فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "ادلهم ادهاهم وثانيهم افتكهم وخامسهم كبشهم وسابعهم اعلمهم وعاشرهم اكفرهم يقتله اخصهم به وخامس عشرهم كثيراً العناء ......" چنانچہ خلفائے بنی عباس کا پہلا خلیفہ سفاح تھا جو ان سب میں مہربان تر تھا۔ دوسرا منصور جو زیادہ جری و شجاع تھا۔ ان سب خلفاء میں یہ شخص

---

[1] بحار کپانی، جلد ۸ صفحہ ۶۰۱، جلد ۹ صفحہ ۵۷۸، ۵۸۵، جلد ۴۱ صفحہ ۲۸۴، ۲۱۲ پر اس روایت کا ذکر کیا گیا ہے۔

[2] یہ روایت بحار جلد ۸، صفحہ ۷۲۳ پر مذکور ہوئی ہے۔

تھا۔ جس نے لوگوں کو سب سے زیادہ مکروفریب سے مروایا۔ اُن کا پانچواں خلیفہ ہارون الرشید تھا۔ جس کی سلطنت اُن سب سے زیادہ مستقل تھی۔ ساتواں خلیفہ مامون تھا جو باقی سب خلفاء سے زیادہ عقلمند تھا۔ دسواں متوکل تھا جو سب سے زیادہ خبیث تھا۔ اس کے دو مخصوص غلاموں نے اسے قتل کیا۔ پندرھواں خلیفہ معتمد عباس تھا جس کی خلافت کا بیشتر زمانہ جنگ جوئی اور لشکر کشی میں گزرا[1]

(۶) اسی طرح حضرت نے قرامطہ (جو سب خوارج تھے) کے بارے میں اور حجر اسود کے کوفہ لے جانے اور پھر کوفہ سے مکہ لے جانے کی خبر بھی فرمائی[2]

(۷) شہدائے کربلا اور جناب سید الشہداء علیہ السلام کے اطراف بنائی جانے والی عمارات کی خبر دی[3]

(۸) حضرت نے بیس سالہ دورِ امارت حجاج بن یوسف ثقفی، طلحہ و زبیر کے مکہ و بصرہ روانگی، جنگِ جمل کی آگ بھڑکانے، شہادت حضرت اویس قرنیؓ اور کوفہ سے حضرت کی امداد کے لیے ایک ہزار اشخاص کی آمد کی خبر دی[4]

---

[1] یہ حدیث بحار کمپانی جلد ۹ صفحہ ۱۵۷ و صفحہ ۵۸۷، ۵۸۸ اور سفینۃ البحار میں لغت غیب کے تحت مذکور ہے۔

[2] قرامطہ کی کہانی، جیسا کہ تاریخ خمیس میں مذکور ہے، یہ ہے کہ ۳۱۷ھ مقتدر عباسی کے دورِ خلافت میں یہ مکہ میں وارد ہوئے۔ وہاں بہت لوگوں کو قتل کیا۔ حجر اسود کو مکہ سے کوفہ لے گئے اور بیس سال تک اسے کوفہ میں رکھا۔ پھر خلیفۂ عباسی اس کو تیس ہزار دینار میں خرید کر واپس مکہ لایا۔

[3] بحار کمپانی جلد ۹ صفحہ ۵۷۷ پر مذکور ہوا۔ [4] بحار جلد ۹، صفحہ ۵۸۱ پر ذکر ہوا۔

(۹) حضرت خولہ والدۂ حضرت محمد حنفیہ (فرزندِ حضرت امیرالمومنین) اور اس تختی کی خبر دی جو حضرت خولہ کے بازو پہ بندھی تھی۔[1]

(۱۰) ابو مسلم خراسانی اور اس کے بنی امیہ کو قتل کرنے کے متعلق فرمایا۔[2]

(۱۱) حضرت نے امام حسین علیہ السلام کی مکہ سے عراق کی طرف حج کو تمام کرنے سے قبل روانگی، عمر بن سعد کے امام حسین علیہ السلام کو شہید کرنے اور براء بن عازب کے سید الشہداء علیہ السلام کی مدد نہ کرنے سے مطلع فرمایا۔[3]

(۱۲) خطبۂ اقالیم میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہر دس سال بعد سنہ ۱۲۰ھ تک ہر اقلیم کے حالات کی تشریح فرمائی۔[4] (اقلیم کلمۂ یونانی ہے۔ زمانۂ قدیم میں لوگ خشکی کو سات حصوں میں تقسیم کرتے تھے اور ہر حصہ کا نام اقلیم رکھتے تھے۔ جس کی جمع اقالیم ہے۔ مترجم)۔

(۱۳) جس زمانہ میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام اپنے لشکر کے ساتھ کوفہ سے مدائن کی جانب مراجعت فرما رہے تھے تو عمرو بن حریث سات دیگر منافقین کے ہمراہ اس میں شامل نہ ہوا۔ چند دنوں کے بعد یہ سب باہر نکلے اور کہنے لگے، علی بن ابی طالبؑ علمِ غیب جاننے کا دعوے کرتے ہیں، ہم ان کو خلافت سے الگ کرکے سوسمار (گرگٹ) کی بیعت کریں گے۔ اثنائے راہ میں ایک سوسمار کو پکڑا۔ عمرو بن حریث نے

---

[1] بحار کمپانی، جلد ۹ صفحہ ۵۸۲، ۵۸۸ پر بیان ہوا۔

[2] بحار جلد ۹، صفحہ ۵۸۴ پر بیان ہوا۔

[3] بحار جلد ۹، صفحہ ۵۸۵ پر ملاحظہ کریں۔

[4] بحار کمپانی، جلد ۹ صفحہ ۵۸۷ پر کتاب مناقب سے نقل ہوا۔

اپنے ساتھیوں سے کہا اس کی بیعت کریں۔ ان سب لوگوں نے اس کی بیعت کر لی۔ پھر جمعہ کے دن مدائن کی مسجد میں جمع ہوئے۔ اس وقت امیر المومنین علیہ السلام خطبہ دے رہے تھے۔ جب اُن پر حضرت کی نظر پڑی تو فرمایا: "اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ایک ہزار حدیث تعلیم فرمائی۔ ہر حدیث کے ہزار باب ہیں اور ہر باب کی ایک ہزار چابیاں (فرہنگ) ہیں۔ پروردگارِ عالم کی قسم قیامت کے دن آٹھ ایسے شخص محشور ہوں گے۔ جن کا امام سوسمار ہوگا۔ اگر میں چاہوں تو اُن کے نام بھی بتلا سکتا ہوں" [۱]

(۱۴) حضرت نے حجر بن عدی " رشید ہجری " کمیل، میثم تمار، محمد بن اکثم، خالد بن مسعود، حبیب ابن مظاہر، جویریہ، عمرو بن الحمق وغیرہا کے قتل کی خبر دی۔ ان کے قاتلوں اور کیفیت قتل کے متعلق فرمایا۔ اس کے علاوہ بہت کچھ ہے جس کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں [۲]

اخبارِ غیبی امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام

امام حسن علیہ السلام کے ساتھ ایسے بہت سے واقعات منسوب ہیں جن میں سے چند ایک بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں:

(۱) حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے اپنے برادر محترم امام حسین علیہ السلام اور حضرت عبداللہ بن جعفر سے فرمایا " معاویہ نے آپ لوگوں کے حقوق و تحفہ جات روانہ کر دیئے ہیں۔ فلاں دن اور فلاں

---

[۱] اس حدیث کو کتاب خصائل کے آخر میں صدوق نے ذکر کیا۔ بحار کمپانی جلد ۹ صفحہ ۵۷۰ پر خصال و کتاب فضائل و خرائج و مناقب سے منقول ہوئی۔

[۲] بحار کمپانی جلد ۹ صفحہ ۵۸۶ میں مذکور ہوا۔

وقت پر پہنچ جائیں گے"۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔[1]

(۲) ایک سفر میں جب آپ مکہ سے مدینہ پیدل تشریف لے جا رہے تھے۔ حضرت کے قدم ہائے مبارک پر ورم ہو گیا۔ فرمایا کہ جس منزل پر ہم وارد ہوں گے وہاں ایک غلام حبشی آئے گا، اس کے پاس ایک تیل ہو گا جو اس ورم کے لئے اچھا ہے۔ پس وہ غلام آیا۔ اس سے ل کر تیل لیا اور حضرت کی مالش کی جس سے حضرت کو آرام ہو گیا۔ اس نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا مجھے اس تیل کے عوض رقم نہیں چاہیے دعا فرمائیے کہ اللہ تعالےٰ مجھے ایک لڑکا عطا فرمائے۔ جو آپ کا دوست ہو۔ کیونکہ جب میں گھر سے چلا تھا تو میری بیوی کو وضعِ حمل ہونے والا تھا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا" واپس ہو جا۔ اللہ تعالےٰ نے تجھے ایک بیٹا عنائت فرمایا ہے جو ہمارے شیعوں میں سے ہو گا۔[2]

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت سید الشہدا علیہ السلام کے ساتھ بھی پیش آیا۔[3]

(۳) حضرت نے اپنی شہادت کی خبر بھی دی۔[4]

(۴) ابن عباس رضؓ کہتے ہیں کہ ایک گائے حضرت حسن مجتبیٰ علیہ السلام

---

[1] اس روایت کو بحار کمپانی، جلد ۱۰ باب معجزات امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام صفحہ ۹۰، جلد ۴۳ صفحہ ۳۲۳ میں خرائج سے نقل کیا گیا ہے۔

[2] یہ روایت بحار جلد ۱۰ صفحہ ۹۰، جلد ۴۳، صفحہ ۳۲۳ پر کتاب خرائج و کافی سے منقول ہوئی ہے۔

[3] اس حدیث کو بحار کمپانی جلد ۱۰، صفحہ ۳۴۳ و جلد ۴۴ صفحہ ۱۸۵ پر کتاب سید ابن طاؤس سے نقل کیا گیا ہے۔

[4] اس حدیث کو بحار جلد ۱۰ صفحہ ۹۱ پر سید بن طاؤس سے نقل کیا گیا ہے۔

کے سامنے سے گزری۔ فرمایا "یہ گائے حاملہ ہے اور اس کے شکم میں مادہ بچہ ہے جس کی پیشانی اور دُم کے شروع کا حصہ سفید ہیں۔" لوگ اس بات کی تحقیق کے لئے قصائی کے پاس گئے۔ جیسا آپ نے فرمایا تھا ویسا ہی پایا۔ امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اللہ تعالےٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے: "ویعلم ما فی الارحام" (خدا ہی جانتا ہے جو کچھ ارحام کے اندر ہوتا ہے) پس آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

حضرت نے فرمایا "اللہ تعالےٰ کا علم مکنون و مخزون جسے انبیا و ملائکہ بھی نہیں جانتے، وہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اور ان کی ذریت جانتے ہیں۔" [1]

(۵) ایک روز امیر معاویہ نے امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے عرض کیا: "آپ کے شیعوں کا عقیدہ ہے کہ کوئی چیز آپ سے مخفی نہیں بتایئے کہ اس درختِ خرما پر کھجور کے کتنے دانے ہیں؟"

حضرت نے ارشاد فرمایا: "چار ہزار و چار عدد۔"

پس امیر معاویہ نے حکم دیا کہ کھجور کے دانوں کو شمار کریں۔ امام علیہ السلام کے فرمان کے مطابق نکلے۔

اس کے بعد آپؑ نے حجر بن عدی کی شہادت کی خبر دی۔ [2]

(۶) امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ دو شخص حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضرت نے دونوں میں سے ایک کو کہا "شب گذشتہ تو نے فلاں شخص سے اس طرح گفتگو

---

[1] اس حدیث کو بحار جلد ۱۰، صفحہ ۱۱ پر سید بن طاؤس سے نقل کیا گیا ہے
[2] یہ حدیث بحار کمپانی، جلد ۱۰، صفحہ ۹۱ پر سید بن طاؤس سے منقول ہوئی۔

کی تھی۔" اس شخص نے تعجب سے کہا " کیا آپ جانتے ہیں جو کچھ ہوا؟"
امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے فرمایا "ہم جانتے ہیں جو کچھ دن اور رات کو واقع ہوتا ہے۔ یقیناً پروردگارِ مقدس نے اپنے رسولؐ کو حلال وحرام اور تنزیل و تاویلِ قرآن کا علم تعلیم فرمایا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ سب کچھ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو تعلیم فرمایا۔" [1]

اخبارِ غیبی حضرت سید مظلومان امام حسین علیہ السلام

(۱) ایک روز ایک عرب نے امتحان کی غرض سے تنہائی میں اپنے آپ کو مجنب کر لیا اور اسی طرح حالتِ جنابت میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے فرمایا: "شرم نہیں آتی کہ حالتِ جنابت میں اپنے امام کے پاس آگیا۔"
اس عرب نے عرض کیا: "میں اپنے مقصد کو پہنچ گیا اور آپ کا مقام ارجمند مجھ پر ثابت ہو گیا۔" پس وہ باہر گیا اور غسل کیا اور واپس آکر جو کچھ اس کو پوچھنا تھا وہ پوچھا۔ [2]
(۲) کچھ چوروں نے مل کر حضرت کے غلاموں کو مار ڈالا۔ حضرت حاکم کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: "میں قاتلوں کی نشاندہی کرتا ہوں ان پر سختی کی جائے۔"
حاکم نے عرض کیا: "اے فرزند رسولؐ! کیا آپ ان کو پہچانتے ہیں؟

---

[1] یہ روایت راوندی کی کتاب خرائج اور صفار کی بصائر الدرجات میں مذکور ہے۔
[2] اس حدیث کو کتاب خرائج، وسائل کے باب احکام جنب اور بحار کمپانی، جلد ۱۰ صفحہ ۱۴۲ پر نقل کیا گیا ہے۔

حضرت نے فرمایا: "میں ان کو اسی طرح پہچانتا ہوں جس طرح تمہیں پہچانتا ہوں۔" پھر ایک شخص کی طرف اشارہ کیا جو وہاں کھڑا ہوا تھا اور فرمایا "یہ ایک شخص ان قاتلوں میں سے ہے۔" اس شخص نے انکار کیا۔ حضرت نے واقعہ کی علامات اور قاتل کی نشانیاں بیان فرمائیں تو اس کو اقرار کرنا پڑا اور ان قاتلوں کو بحکم قصاص قتل کیا گیا جیسا کہ خرائج میں مذکور ہے۔

(۳) سید ابن طاؤس نے حذیفہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ حیات میں میں نے امام حسین علیہ السلام سے سنا کہ فرماتے ہیں: "سرکشانِ بنی امیہ، عمر بن سعد کی سرداری میں مجھے قتل کریں گے۔"

حذیفہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا: "کیا یہ خبر آپ کو پیغمبر اکرمؐ نے دی ہے؟"

حضرت نے فرمایا: "نہیں (یعنی بظاہر مجھ سے آنحضرتؐ نے ایسا نہیں فرمایا)۔"

حذیفہ خدمتِ رسولؐ میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ آنحضرتؐ کے گوش گزار کیا۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: "میرا علم اُس کا علم ہے اور اس کا علم میرا علم ہے اور ہم واقع ہونے سے پہلے ہی تمام کائنات کے واقعات کی خبر دے دیتے ہیں۔"

(بحار جلد ۱۰، صفحہ ۱۴۲ پر یہ واقعہ مذکور ہے)

لہ جناب سید الشہداء علیہ السلام کے اخبارِ غیبی میں نہایت اہم خبر عبداللہ بن زبیر کے انجام سے متعلق ہے۔ مکہ سے روانگی کے موقعہ پر جب آپ (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

اخبارِ غیبی حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

آپ کے اخبارِ غیبی کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

(۱) آپ کے بعض قریبی شیعوں میں سے ایک نے آپ سے فقر و بیچارگی کی شکایت کی۔ حضرت کو دکھ ہوا اور آپ نے گریہ فرمایا۔ آپ کے مخالفین میں بعض لوگ جو سمجھتے تھے کہنے لگے "یہ لوگ یعنی آئمہ بھی

(بقیہ حاشیہ) احرام حج کو عمرہ میں بدل کر عراق کی طرف مراجعت فرما رہے تھے تو اکثر صاحبانِ اثر حضرات نے آپ کو عراق کی طرف جانے سے منع کیا۔ ان میں مشہور نام عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن زبیر، محمد الحنفیہ بن علیؑ کے سامنے آتے ہیں۔ آپ نے سب کو مختلف وجوہات روانگی بتائیں۔ جب عبداللہ بن زبیر نے آپ کو عراق جانے سے منع فرمایا تو آپ نے اپنی سیاسی بصیرت کو کام میں لاتے ہوئے ان کے انجام کی اشارۃً خبر دی جو اوراقِ تاریخ میں محفوظ ہے۔ ارشاد فرمایا: "عبداللہ میں اس بات کو پسند کروں گا کہ حرم کی زمین سے ایک بالشت باہر قتل ہو جاؤں بجائے اس کے کہ حرم کی زمین کے ایک بالشت اندر قتل ہوں۔ اور میں وہ مینڈھا بننا نہیں چاہتا۔ جس کے خون سے حرم کی زمین رنگین ہو گی۔" عبداللہ بن زبیر ویسے بھی سیاسی طور پہ حضرت کی مکہ میں موجودگی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ حضرت کی موجودگی میں ان کے خود خلیفہ بننے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا تھا۔ دل سے چاہتے تھے کہ حسینؑ مکہ سے چلے ہی جائیں۔ چنانچہ وہی ہوا جس کی طرف حضرت نے اشارہ فرمایا تھا۔ عبداللہ بن زبیر نے وقت آتے پر اپنی خدمت کا اعلان بھی کیا اور عین حرم کے اندر قتل ہوئے اور ان کے خون سے حرم کی زمین رنگین ہوئی۔ (زندگی)

عجیب لوگ ہیں دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ آسمان، زمین اور ہر چیز ان کے زیر فرمان ہے اور ان کی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں۔ حالت یہ ہے کہ اپنے شیعوں کے امور کی اصلاح نہیں کر سکتے اور رو رہے ہیں۔"

اس مخالف کی یہ گفتگو اس شیعہ نے سنی۔ خدمت امام علیہ السلام میں حاضر ہوا اور عرض کیا: "مولا! اس مخالف کی یہ گفتگو میری مصیبت سے زیادہ میرے لئے تکلیف کا باعث ہوئی ہے۔"

حضرت نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا ہے کہ تجھے کشائش حاصل ہو۔" پس اپنے پاس سے دو روٹیاں اس کو عطا فرمائیں، اور فرمایا: "اللہ تعالیٰ ان روٹیوں کی برکت سے تیری مصیبت کو دور کر دے گا اور تجھے خوشحالی سے نوازے گا۔" اس شخص نے دونوں روٹیاں مچھلی اور نمک کے عوض فروخت کیں۔ جب گھر آ کر مچھلی کا شکم چاک کیا تو اس میں سے دو عدد نہایت قیمتی موتی نکلے۔ جن سے وہ خوش حال ہو گیا۔ وہ دونوں روٹیاں بھی اس کے پاس واپس آ گئیں تھوڑی دیر بعد حضرت کا ایک غلام اس کے پاس آیا اور کہا: "اللہ تعالیٰ نے تجھے کشائش مرحمت فرما دی ہے۔ اب امام علیہ السلام کی روٹیاں مجھے دیدے۔" چنانچہ اس نے وہ دونوں روٹیاں حاصل کیں اور چلا گیا۔[1]

(۲) ایک روز عمر بن عبد العزیز حضرت کے سامنے سے گزرا۔ ارشاد فرمایا کہ یہ شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ لوگوں کا والی و حاکم نہ بنے۔ اس کی حکومت کی مدت تھوڑی ہے۔ جب

---

[1] اس اجمال کی تفصیل بحار کمپانی، جلد ا صفحہ ۷ اور جلد ۲۶ صفحہ ۲۰ پر صدوق کی کتاب امالی اور روضۃ الواعظین سے نقل کی گئی ہے۔

مرجائے گا تو اہلِ آسمان اس پر لعنت کریں گے اور اہلِ زمین اس کے لئے طلبِ مغفرت کریں گے۔"[1]

(۳) حجاج ملعون نے عبدالملک ابنِ مروان کو لکھا کہ اگر تو چاہتا ہے کہ تیری حکومت قائم رہے تو (حضرت) علی بن الحسینؑ کو قتل کرادے عبدالملک نے اسے لکھا " میں بنی ہاشم کے خون بہانے میں شریک نہیں ہوتا اور تو بھی اس کام سے دُور رہ! اس نے یہ خط خفیہ طور پر حجاج کو بھیجا۔ اسی روز اور اسی وقت حضرت زین العابدین علیہ السلام نے عبدالملک کو لکھا" جو کچھ تم نے خونِ بنی ہاشم کی حفاظت کے بارے میں حجاج کو لکھا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس سے خوش ہوا اور تیری عمر اور سلطنت کو اس نے طول بخشا ہے" جب حضرت کا خط عبدالملک کو ملا۔ اور اس نے خط کی تاریخ دیکھی تو اس کو آپ کی صداقتِ گفتار کا یقین ہو گیا اور وہ بہت خوش ہُوا۔[2]

(۴) آپ نے خود اپنی اور اپنے فرزند زید کی شہادت کی خبر بھی دی۔"[3]

اخبارِ غیبی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

(۱) کتاب شریف " خرائج " میں ابو بصیر سے منقول ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے شیعانِ خراسان میں سے ایک شخص سے پوچھا " تیرے

---

[1] بحار کمپانی، جلد ۱۱ صفحہ ۸ پر بصائر سے نقل ہوئی۔

[2] یہ روایت بحار جلد ۱۱، صفحہ ۱۰ و ۱۴ پر خرائج اور کشف الغمہ سے نقل کی گئی ہے نیز بحار جدید جلد ۴۶ صفحہ ۲۳، ۲۸ اور ۴۴ پر بھی مذکور ہے۔

[3] دیکھئے بحار کمپانی جلد ۱۱، صفحہ ۴۳، ۴۶ اور ۵۱۔

والد کا کیا حال ہے؟"

اس نے عرض کیا: "ٹھیک ہے۔"

حضرت نے فرمایا: "جس وقت تو گرگان کی طرف جا رہا تھا تو تیرے والد نے اس دنیا سے انتقال کیا۔"

پھر پوچھا: "تیرے بھائی کا کیا حال ہے؟"

اس نے کہا: "جب میں اپنے گھر سے نکلا تو وہ ٹھیک تھا۔"

حضرت نے فرمایا: "اس کے ہمسایہ نے اسے قتل کر دیا ہے۔" پھر آپ نے اس کے قتل کا وقت اور دن بھی بتا دیا۔ وہ خراسانی رونے لگا۔ حضرت نے فرمایا: "وہ دونوں جنت میں گئے، جو ان کے لئے بہتر مقام ہے۔"

خراسانی نے پوچھا: "جب میں گھر سے روانہ ہوا تو میرا بیٹا سخت بیمار تھا۔ آپ نے اس کے متعلق دریافت نہیں فرمایا؟"

حضرت نے فرمایا: "تیرا بیٹا صحت مند ہو گیا اور اس کے چچا نے اپنی بیٹی کی اس سے شادی کر دی ہے۔ جب تو خراسان پہنچے گا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بیٹا عطا فرمایا ہو گا اور اس کا نام علی ہو گا۔ وہ ہمارے شیعوں سے ہو گا اگرچہ خود تیرا بیٹا ہمارا شیعہ نہیں ہے۔"[1]

(۲) خرائج میں ابوبصیر سے منقول ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: "کیا آپ ذریتِ رسولؐ ہیں؟"

آپ نے فرمایا: "ہاں! ہم ذریتِ رسولؐ ہیں۔"

اس نے عرض کیا: "کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء و مرسلین کے علوم کے وارث ہیں؟"

---

[1] یہ حدیث کتاب مناقب میں بھی مذکور ہے۔

حضرت نے فرمایا: "ایسا ہی ہے۔"
اس نے کہا: "کیا آپ تمام علوم پیغمبرؐ کے وارث ہیں؟"
حضرت نے فرمایا: "یقیناً ہیں۔"
وہ بولا: "کیا آپ مُردوں کو زندہ، مادر زاد نابینا اور مبروص کو درست کر سکتے ہیں؟ لوگوں کے کاروبار اور جو کچھ ان کے گھر میں ذخیرہ ہے۔ اس کی خبر دے سکتے ہیں؟"
حضرت نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی اجازت سے بتا سکتا ہوں" پھر فرمایا: "ابوبصیر! میرے نزدیک آؤ" جب نزدیک ہوا تو اپنے دستِ مبارک ابوبصیر کی آنکھوں پر، جو نابینا تھا، پھیرا۔ وہ بینا ہو گیا۔ ابوبصیر نے کہا "میں سب کچھ دیکھنے لگا۔" آپ نے اپنا دستِ مبارک پھر میری آنکھوں پر پھیرا۔ میری آنکھیں پہلے کی طرح نابینا ہو گئیں۔ حضرت نے فرمایا: "اگر تو چاہے تو بینا ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے اعمال کا جواب دینا ہو گا (یعنی خدا تجھے تیرے اعمال کے مطابق جزا دے گا) اور اگر چاہے تو نابینا رہ جا۔ اس صورت میں تیری جگہ بہشت میں ہو گی۔"
ابوبصیر نے کہا "نابینا رہنا اور جنت میں مقام رکھنا بہتر ہے۔"[1]
حقیر مؤلف کہتا ہے کہ ابوبصیر شیعۂ کامل و دانشمند تھا۔ سوالات پوچھ کر پہلے اس نتیجہ پر پہنچا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام پیغمبروں کے وارث اور آئمہ تمام علوم آنحضرتؐ کے وارث ہیں تو لازم ہے کہ وہ حضرت

---

[1] اس حدیث کا مختصر ذکر مناقب میں بھی ہے۔ اس کے آخر میں راوی نے کہا "میں نے یہ حدیث ثقۂ جلیل محمد ابن ابی عمیر سے بیان کی۔" انہوں نے کہا "میں شہادت دیتا ہوں کہ یہ اتنی ہی صحیح ہے جتنا اس وقت دن ہونا صحیح ہے۔"

عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ پر قادر ہوں جس کا واضح ذکر قرآن میں ہے کہ وہ مردہ کو زندہ کر دیتے تھے اور نابینا و مبروص کو صحت یاب کر دیتے تھے۔ نیز لوگوں کے کاروبار کی خبر بھی دیتے تھے۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے قول و عمل سے اس علم و قدرت کو ثابت کر دیا۔

(۳) خرائج میں ابو بصیر کے ذریعہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے: "میرے پدر بزرگوار نے ایک دن اہل مدینہ سے فرمایا کہ آئندہ سال تمہارا کیا حال ہوگا۔ جب چار ہزار دشمن تلواریں لے کر تم پر حملہ کریں گے اور تمہاری اکثریت کو قتل کر دیں گے۔ تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔ پس اپنے آپ کو اس کے لئے تیار کر لو" چنانچہ آئندہ برس نافع بن ارزق چار ہزار دشمن فوج کے ساتھ حملہ آور ہوا اور وہی کچھ کیا جس طرح حضرت نے فرمایا تھا[1]

(۴) امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: "میری عمر کے پانچ سال اور باقی رہیں" چنانچہ ایسا ہی ہوا[2]

(۵) علی ابن ابی حمزہ کی اولاد کے متعلق آپ نے ولادت سے بیس سال قبل خبر دی۔[3]

(۶) ہشام بن عبدالملک کے لئے ایک محل بنایا جا رہا تھا۔ حضرت وہاں سے گزرے اور ارشاد فرمایا: "خدا کی قسم! اس گھر کو گرا دیا جائے گا اور اس کی خاک تک اٹھا کر لے جائیں گے۔ نیز محمد بن عبداللہ بن حسن نفس زکیہ کو یہیں پر قتل کیا جائے گا" راوی کہتا ہے کہ اس نے

---

[1] یہ حدیث بحار کمپانی جلد ۱۱ صفحہ ۷۰ پر کتاب مناقب و خرائج سے نقل ہوئی ہے۔
[2] یہ حدیث مناقب وغیرہ میں منقول ہے۔
[3] یہ خبر مناقب وغیرہ میں مذکور ہے۔

یہ سب اپنی آنکھوں سے واقع ہوتا ہُوا دیکھا۔[1]

(۷) ایک جوان شخص مسجد میں کسی بات پر ہنس رہا تھا۔ حضرت نے فرمایا: "تو اب تو ہنس رہا ہے لیکن تین دن بعد مر جائے گا"۔ لہٰذا وہ تیسرے دن دنیا سے رخصت ہو گیا۔[2]

(۸) آپ نے منصور دوانیقی کی خلافت، داؤد بن علی اور بنی عباس کے متعلق بھی خبر دی۔[3]

اخبارِ غیبی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

آپ کے اخبارِ غیبی بہت ہیں۔ ان میں سے چند کا ہم ذکر کرتے ہیں:

(۱) آپ نے ابی اسامہ زید الشحام کو اس کی موت کے قریب ہونے کی خبر دی۔[4]

(۲) کوفہ سے کچھ لوگ مدینہ میں خدمتِ امام میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مفضل بہت سخت بیمار ہے اس کے لئے دعا فرمائیں۔ حضرت نے فرمایا اس کا انتقال ہو چکا ہے۔ یہ بات حضرت نے مفضل کے انتقال کے تین روز بعد فرمائی۔[5]

---

[1] یہ خبر کمپانی جلد ۱۱، صفحہ ۷۶ پر کشف الغمہ سے منقول ہے۔

[2] یہ خبر بحار جلد ۱۱ صفحہ ۷۸ پر درج ہے۔

[3] اس خبر کو بحار جلد ۱۱ صفحہ ۷۹ پر کافی سے اور صفحہ ۱۵۶ پر مناقب سے نقل کیا گیا ہے

[4] بحار کمپانی جلد ۱۱ صفحہ ۱۲۶ پر بہ روایت بصائر و مناقب سے منقول ہوئی۔

[5] یہ خبر بحار جلد ۱۱ صفحہ ۱۲۶ پر کتاب بصائر سے نقل ہوئی۔ نیز یہ خبر پیچھے کی خبر کے ساتھ بحار جلد ۷ صفحہ ۷۷ اور ۷۸ پر بھی مذکور ہے۔

(۳) کتاب مناقب میں ابو بصیر سے روایت ہے کہ اس نے کہا کہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے پوچھا "ابو حمزہ ثمالی کا کیا حال ہے؟" میں نے کہا "ٹھیک ہے"۔
حضرت نے فرمایا "جب اس کے پاس واپس جاؤ تو اس کو میرا سلام کہنا اور اسے بتلا دینا کہ فلاں روز اس کے دنیا سے چلے جانے کے لئے معین ہے" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔[1]

(۴) احمد بن نطقی جو شیعان بابل سے تھا اور کوفہ میں رہتا تھا کہتا ہے کہ ایک سال اس نے حج کیا اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے فرمایا: "(فوقه ماماست) یہ الفاظ نبطی زبان کے ہیں۔ مطلب یہ کہ تمہارے شہر میں بوزینہ نے وفات پائی"۔
میں نے عرض کیا: "کس وقت؟"
حضرت نے فرمایا: "اسی وقت"۔
راوی کہتا ہے کہ اس نے وقت یاد رکھا اور جب کوفہ واپس پہنچا تو معلوم ہوا کہ جس طرح حضرت نے فرمایا اسی طرح واقعہ ہوا تھا۔[2]

(۵) معلی بن خنیس کے قتل کی خبر آپ نے واقعہ سے ایک سال سے زیادہ عرصہ قبل دی۔[3]

---

[1] اس حدیث کو بحار جلد ۱۱ صفحہ ۱۲۶ پر کتاب بصائر و مناقب و کشف الغمہ سے نقل کیا گیا۔

[2] یہ خبر بحار کمپانی جلد ۱۱ صفحہ ۱۲۷ پر کتاب بصائر سے درج کی گئی ہے اور اسی طرح بحار جلد ۴۷ صفحہ ۸۱ پر بھی ہے۔

[3] یہ حدیث بحار جلد ۱۱ صفحہ ۱۲۷ پر کتاب "اختصاص" مفید و بصائر سے صفحہ ۱۳۵ پر سید ابن طاؤس کی کتاب نجوم اور کتاب مناقب و خرائج سے، صفحہ ۱۴۱ پر مناقب سے اور صفحہ ۱۵۰ پر دوسروں سے منقول ہے۔

(۶) حضرت نے ایک مردِ ہندی کی خیانت کی خبر دی جو ہندوستان کے بادشاہ کی طرف سے ایک کنیز اور ہدایا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں لے کر آ رہا تھا۔ جب حضرت کے سامنے حاضر ہوا تو آپ نے بادشاہِ ہند کے تحفہ جات قبول فرما لئے اور چونکہ اس نے کنیز کے ساتھ خیانت کی تھی حضرت نے کنیز کو قبول نہ کیا اور اس کی خیانت کی مفصل خبر دی۔[1]

(۷) اسی طرح ایک مردِ بلخی کی خیانت کا ذکر ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک کنیز ایک شخص نے اسے بطورِ امانت دی تھی کہ اس کو فروخت کرائے۔ اس بلخی نے راستہ میں ایک درخت کے نیچے، جہاں اور کوئی نہ تھا، اس کنیز سے زنا کیا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسی شخص کو بیس سال بعد اس واقعہ کی خبر دی۔[2]

(۸) اسی طرح ایک خراسانی نے کنیز کے ساتھ خیانت کی۔ جسے وہ حضرت کے لئے لا رہا تھا۔ حضرت نے اسے قبول نہ فرمایا۔[3]

(۹) ایک شخص نے ایک جارودی شخص کی امام کی خدمت میں بہت تعریف کی کہ لوگ اس کو بہت پسند کرتے ہیں۔ لیکن وہ آپ کی امامت ولایت کو قبول نہیں کرتا۔ اس خیال سے کہ شاید آپ حق پر نہ ہوں۔ حضرت نے فرمایا: "اگر ایسا ہی ہے تو اس نے نہر بلخ کے پاس اپنی ایک ہمسفر کنیز کے ساتھ زنا کیوں کیا؟"

---

[1] اس خبر کی تفصیل کتاب خرائج اور بحار کمپانی جلد ۱۱، صفحہ ۱۳۶ اور جلد ۴، صفحہ ۱۱۲ پر مناقب سے نقل کی گئی۔

[2] اس کی تفصیل خرائج میں مذکور ہے۔

[3] اس قصہ کی تفصیل بحار کمپانی جلد ۱۱، صفحہ ۱۳۱ پر خرائج سے اور صفحہ ۱۴۲ پر کتاب مناقب و خرائج سے درج کی گئی ہے۔

جب یہ خبر اُس جارودی کو پہنچی تو اس نے کہا: "خدا کی قسم! یہ بات نہ تو کنیز نے ظاہر کی اور نہ ہی میں نے۔ اللہ کے سوا یہ بات کوئی نہیں جانتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ حجتِ پروردگار اور امام حق ہیں"۔[1]

(۱۰) اسحاق بن عمار سے فرمایا: "ماہِ ربیع تک اپنا مال لوگوں سے جمع کر لو" اس نے ایسا ہی کیا اور ماہِ ربیع میں وہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔[2]

(۱۱) حضرت کی خدمت میں کئی لوگ حاضر تھے۔ اچانک حضرت نے انا للہ و انا الیہ راجعون فرمایا اور کہا: "میرے چچا زید اس وقت شہید ہو گئے" راوی کہتا ہے جب حضرت تشریف لے گئے تو میں نے وقت دن اور مہینہ لکھ لیا۔ تھوڑے عرصہ بعد حضرت کے فرمان کی صداقت ظاہر ہو گئی۔[3]

(۱۲) حضرت نے ابو مسلم خراسانی کے خروج کی خبر دی۔[4]

(۱۳) جب عبداللہ بن حسن کے صاحبزادگان محمد و ابراہیم نے بادشاہ کے خلاف خروج کا ارادہ کیا تو حضرت نے ان دونوں کے قتل اور سفاح

---

[1] اس اجمال کا بیان کتاب خرائج و بحار جلد ۱۱ صفحہ ۴۹ اور جلد ۷، ۴ صفحہ ۱۵۶ پر مذکور ہے۔

[2] بحار کمپانی جلد ۱۱، صفحہ ۱۴۴ پر کتاب خرائج سے صفحہ ۱۴۴ پر کتاب اعلام الوریٰ (مؤلفہ شیخ طبرسی) اور مناقب و رجال کشی سے یہ حدیث نقل کی گئی۔

[3] تفصیل بحار جلد ۱۱ صفحہ ۱۴۴ پر خرائج سے منقول ہے۔

[4] اس واقعہ کی تشریح بحار جلد ۱۱ صفحہ ۱۴۵ پر خرائج سے، صفحہ ۱۴۲ پر مناقب سے اور صفحہ ۱۴۶ پر اعلام الوریٰ سے درج کی گئی ہے۔

دمنصور کی خلافت کی خبر دی[1]

(۱۴) حضرت نے سماعہ کو بتلایا کہ اس کے اور اونٹ والے کے درمیان کیا واقعہ پیش آیا[2]

(۱۵) ایک شام کے رہنے والے شخص کو جو ہشام کے پاس مناظرہ و مجادلہ کے لئے آیا تھا، خدمتِ امام جعفر صادق علیہ السلام میں بھیجا گیا حضرت نے شام کے سفر میں جو کچھ اسے پیش آیا تھا۔ تفصیل کے ساتھ بتا دیا[3]

(۱۶) صفوان بن یحییٰ (جن کی وثاقت اور جلالت پر سب کا اتفاق ہے) کہتے ہیں "جعفر بن محمد بن الاشعث نے مجھ سے کہا کیا تمہیں معلوم ہے کہ امام کے امر ولایت کے متعلق میرا اعتقاد کیا تھا جب کہ میں ائمہ میں سے کسی کے نام سے بھی واقف نہ تھا؟ میں نے کہا "خود ہی بتاؤ" اس نے بتایا، ایک مرتبہ منصور دوانیقی نے میرے باپ کو حکم دیا، کہ ایک سمجھدار مردِ با تدبیر کو حاضر کرو۔ میرا باپ گیا اور میرے ماموں کو لاکر حاضر کیا۔ منصور نے بہت رقم اس کو دی اور کہا، مدینہ کی طرف جا اور امام حسن علیہ السلام کے فرزندوں اور بنی فاطمہؑ کے افراد سے جا کر کہہ میں ایک غریب آدمی ہوں۔ خراسان سے آیا ہوں۔ خراسان کے شیعوں نے آپ کے لئے رقم ارسال کی ہے۔ پھر ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آنا اور یہ رقم ان میں تقسیم کر دینا۔ اور ہر شخص سے رقم کی رسید یا تصدیق نام لکھوا لینا (منصور کا مقصد ان کے حالات اور ناموں کا معلوم

---

[1] بحار کمپانی جلد ۱۱ صفحہ ۱۳۸، ۱۴۲، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۵۰ اور ۱۸۷ پر ان کا ذکر ہوا ہے۔

[2] بحار کمپانی جلد ۱۱، صفحہ ۱۴۱ پر مناقب سے منقول ہے۔

[3] اس خبر کی تشریح بحار کمپانی جلد ۱۱ صفحہ ۱۴۹ اور جلد ۴ صفحہ ۱۵۷ پر کتاب کافی سے نقل ہوئی ہے

کرنا تھا) اس نے مال منصور سے لے لیا، مدینہ آیا اور ایسا ہی کیا۔ پھر منصور کے پاس واپس آیا۔ میرا باپ محمد بھی اس کے پاس تھا۔ اس نے اپنے سفر کا حال بتایا اور کہا کہ میں نے آپ کے حکم کے مطابق عمل کیا سوائے جعفر بن محمدؑ الصادق کے، وہ ایک دن مدینہ کی مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ میں آیا اور ان کے پیچھے بیٹھ گیا۔ مقصد یہ تھا کہ باقی لوگوں کی طرح ان سے بھی غرور کے ساتھ پیش آؤں (اور ان کو بھی مال دوں)۔ اچانک میں نے دیکھا کہ حضرت نے جلدی جلدی اپنی نماز کو ختم کیا اور نماز کے بعد جب کہ میں نے ابھی کوئی بات نہ کی تھی، حضرت نے اپنا رُخ میری طرف کیا اور فرمایا: خدا سے ڈرو اہل بیت پیغمبرؐ کو دھوکہ نہ دے اس لئے کہ وہ محتاج ہیں، میں نے کہا کہ آپ کا مقصد کیا ہے۔ حضرت نے اپنا سر مبارک میرے قریب لائے، اور تمام حالات جو مجھے پیش آئے تھے۔ اس طرح تشریح سے بتا دیئے، گویا وہ ہمارے شریک ہوں۔ منصور نے کہا: اہلِ بیت پیغمبرؐ میں ایک محدث ہوتا ہے (یعنی ایسا شخص جس پر فرشتے کلام القاء کرتے ہیں) اور آج جعفر بن محمد علیہما السلام وہ محدث ہیں۔ اے صفوان حضرت سے میری معرفت کا سبب یہ ہے[1]۔

---

[1] یہ روایت کافی میں "میلادِ جعفر بن محمد" کے باب میں سند صحیح کے ساتھ صفوان سے نقل کی گئی ہے۔ بحار کمپانی جلد ۱۱ صفحہ ۱۲۵ پر کتاب بصائر سے صفوان سے دوسری سند کے ساتھ اور کتاب خرائج و مناقب میں بھی صفوان سے نقل کی گئی ہے۔ صفحہ ۱۴۵ پر اسی کی مثل کتاب خرائج سے نقل ہوئی ہے۔ حضرت کی اور بہت سی غیب کی خبریں مناقب جلد ۴ صفحہ ۲۱۷-۲۳۰ حضرت کے اخبار غیبی کی فصل میں مذکور ہوئی ہیں۔

اخبارِ غیبی حضرت امام موسیٰ بن جعفر علیہما السلام

یہ اخبار بہت زیادہ ہیں۔ چند ایک بطور نمونہ پیش کرتے ہیں:

(۱) بمہ بمر میں شعیب عقر قوفی سے، جو ثقہ جلیل اور ابوبصیر کے بھانجے تھے، حضرت امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا: ”کل اہلِ مغرب سے ایک شخص تم سے میرے متعلق پوچھے گا۔ اس کے جواب میں کہنا کہ خدا کی قسم موسیٰ بن جعفر بن محمد علیہم السلام امام برحق ہیں۔ پھر وہ تم سے حلال وحرام کے بارے میں سوال کرے گا۔ اس کو میری طرف سے جواب دینا“

شعیب نے عرض کیا: ”میں آپ کے قربان! اس کی علامت کیا ہوگی؟“

حضرت نے فرمایا: وہ شخص دراز قامت اور موٹے جسم کا ہے۔ اس کا نام یعقوب ہے“

پس جس طرح آپ نے فرمایا تھا اسی طرح واقعہ ہُوا۔ شعیب کہتا ہے کہ میں اُسے خدمتِ امام میں لے کر آیا۔ جب وہ حضرت کے سامنے پہنچا تو حضرت نے جو کچھ دورانِ سفر اس کے اور اس کے بھائی کے درمیان پیش آیا تھا اس کی پوری خبر دی اور فرمایا: ”چونکہ تم نے ایک دوسرے کی نسبت بدگوئی اور اذیت دینے کے بارے میں سوچا تھا، تم نے قطع رحم کیا۔ لہٰذا تمہاری عمریں کم ہوگئیں۔ تمہارا بھائی گھر پہنچنے سے پہلے ہی سفر میں ہی مر جائے گا اور تو پشیمان ہوگا“

اس شخص نے عرض کیا: ”میں آپ کے قربان! میری موت کب آئے گی؟“

حضرت نے فرمایا: ”تیری موت آچکی تھی۔ لیکن چونکہ فلاں منزل پر اپنی عمر پر احسان کیا تھا۔ جو صلہ رحمی ہے۔ اس لئے تیری عمر میں بیس سال

کا اضافہ ہو گیا ہے"[۱]

(۲) عبداللہ بن یحییٰ کاہلی سے فرمایا: "اعمالِ خیر بجا لا کہ تیری موت قریب آ گئی ہے مجھے بشارت ہو کہ تو ہمارے شیعوں سے ہے اور تیری عاقبت بخیر ہے۔"

راوی کہتا ہے کہ تھوڑا عرصہ گزرا تھا کہ عبداللہ نے دنیا سے انتقال کیا۔[۲]

(۳) ملزم کو اس کے گناہ کی خبر دی جو اس نے تنہائی میں کیا تھا۔[۳]

(۴) آپ کے شیعوں میں سے کچھ لوگ اپنے دوستوں کے ساتھ ایک مکان میں ٹھہرے۔ حضرت نے فرمایا کہ جلدی کرو اور اس مکان سے باہر نکل آؤ۔ جونہی وہ باہر نکلے وہ مکان منہدم ہو گیا۔[۴]

(۵) امام علیہ السلام نے فرمایا کہ منصور دوانیقی (ابوجعفر) کبھی خانۂ خدا کی زیارت نہ کرے گا۔ وہ حج کے لیے روانہ ہوا۔ لیکن راستہ ہی میں مر گیا۔[۵]

(۶) اسحٰق بن عمار روایت کرتا ہے کہ جب ہارون الرشید نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو قید کیا تو ابو حنیفہ کے دوستوں میں سے دو

---

[۱] اس روایت کو بحار کمپانی جلد ۱۱ صفحہ ۲۴۱ جلد ۴۸ صفحہ ۳۶ پر کتاب کشی سے بروایت شعیب نقل کیا گیا ہے۔ خرائج و مناقب ابن شہر آشوب اور شیخ مفید کی اختصاص میں حسن بن محبوب کے ذریعہ علی بن ابی حمزہ سے منقول ہوئی ہے۔

[۲] بحار جلد ۱۱ صفحہ ۲۴۱ پر کتاب کشی سے نقل کیا گیا۔

[۳] بحار جلد ۱۱ صفحہ ۲۴۵ پر کتاب بصائر سے نقل ہوا۔

[۴] و [۵] بحار کمپانی، جلد ۱۱ صفحہ ۲۴۳ اور جلد ۴۸، صفحہ ۴۴ و ۵۴ پر کتاب قرب الاسناد سے روایت نقل کی گئی۔

شخص قید خانہ میں حضرت کے پاس آئے۔ وہ حضرت کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص کو دیکھا جو سندی بن شاہک ملعون کی طرف سے آپ پر مؤکل تھا۔ وہ شخص آیا اور اس نے عرض کیا: "میری خدمت کا وقت ختم ہوا۔ اب میں جا رہا ہوں۔ اگر آپ کی کوئی حاجت ہے تو فرمائیے تاکہ اُسے پورا کروں۔"

حضرت نے فرمایا: "میری کوئی حاجت نہیں۔"

جب وُہ باہر چلا گیا تو حضرت نے ان دونوں اشخاص سے کہا: "اس شخص کی بات بھی عجیب ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ میری حاجت برآئی کرے اور حالت یہ ہے کہ آج رات کو یہ مر جائے گا۔"

اُن دونوں آدمیوں نے اس بات کی تحقیق کے لئے ایک شخص کو مامور کیا۔ اس مامور شخص نے صبح صدائے گریہ اس گھر سے سنی۔ لوگ کہتے تھے کہ فلاں شخص بغیر کسی مرض کے مر گیا۔ وہ مامور شخص واپس آیا اور اُن دونوں اشخاص کو اس کی موت کی خبر دی۔ وہ دونوں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: "ہم یہ تو جانتے ہیں کہ آپ حلال و حرام کا علم جانتے ہیں۔ لیکن اس شخص کی موت کا آپ کو کیسے علم ہوا؟"

حضرت نے فرمایا: "اسی دروازہ سے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے علی بن ابی طالب علیہ السلام کو تعلیم دی تھی۔" [1]

(۷) اسحٰق بن منصور روایت کرتا ہے کہ حضرت موسیٰ بن جعفر علیہما السلام نے میرے باپ سے منصور سے فرمایا: "تیری عمر تمام ہوئی۔ اب دو سال

---

[1] کتاب خرائج میں اسحاق بن عمار سے روایت کی اور بحار کمپانی جلد ۱۱ صفحہ ۲۵۰ پر اس کا ذکر ہوا ہے۔

سے کم باقی ہے اور تیرا بھائی تجھ سے ایک ماہ بعد مرجائے گا۔ تیرے خاندان پر تباہی آئے گی اور تیرے خاندان والے فقر میں اس قدر مبتلا ہوں گے کہ صدقات کے محتاج ہو جائیں گے۔" راوی کہتا ہے، سب کچھ اسی طرح واقع ہوا۔ جس طرح حضرت نے فرمایا تھا۔ [۱]

(۸) یعقوب سراج سے مروی ہے کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت اپنے فرزند موسٰیؑ سے جو گہوارہ میں تھے، آہستہ آہستہ باتیں کر رہے ہیں۔ میں نے تھوڑی دیر انتظار کیا حتٰی کہ باتیں ختم ہوئیں۔ پھر حضرت نے مجھ سے فرمایا: "اپنے مولا کے قریب جاؤ اور انہیں سلام کرو۔"

میں گہوارہ کے قریب گیا اور سلام کیا۔ حضرت امام موسٰی کاظم علیہ السلام نے بزبان فصیح سلام کا جواب دیا اور فرمایا: "کل جو تم نے اپنی بیٹی کا نام رکھا ہے اس کو بدل دو۔ کیونکہ یہ وہ نام ہے جس کو اللہ تعالٰی دشمن جانتا ہے۔

راوی کہتا ہے ایک دن پہلے میرے یہاں بیٹی پیدا ہوئی تھی میں نے اس کا نام حمیرا رکھا تھا۔ پس امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اپنے مولا کی اطاعت کرو تا کہ تم رشد و کمال کو پہنچو۔" میں نے جا کر اس کا نام تبدیل کر دیا۔ [۲]

---

[۱] خرائج میں روایت ہوئی۔ بحار جلد ۱۱ صفحہ ۲۵۰ پر کتاب خرائج و کافی سے اور صفحہ ۲۴۶ پر کتاب بصائر و خرائج و کافی و اعلام الورٰی سے بہ اختلاف الفاظ منقول ہوا۔

[۲] یہ کافی میں اشارہ و نص کے باب میں جو حضرت موسٰی بن کاظم علیہ السلام کے متعلق ہے منقول ہے۔ یہی روایت مناقب و ارشاد مفید اور اعلام الورٰی طبرسی وغیرہ میں بھی نقل کی گئی ہے۔

(۹) جب شیعانِ نیشاپور نے محمد بن علی نیشاپوری کے توسط سے حضرت کے پاس مال روانہ کیا تو اس میں شطیطہ نیشاپوری کا مال بھی تھا۔ وہ لوگ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شطیطہ کی امانت سمیت تمام امانات حضرت کو پیش کیں۔ حضرت نے فرمایا: "شطیطہ کو میرا سلام پہنچا دینا اور یہ تھیلی جس میں چالیس درہم ہیں اس کو پہنچا دینا۔ اور یہ کپڑا جو میری والدۂ بزرگوار جناب زہرا سلام اللہ علیہا کی زمین کی روئی سے میری بہن حلیمہ نے بنایا ہے، اس کو دے دینا اور اس سے کہنا کہ تمہارے نیشاپور واپس پہنچنے کے انیس روز بعد وہ دنیا سے رخصت ہو جائے گی۔ وہ سولہ درہم اپنے تصرف میں لائے اور چوبیس درہم صدقہ اور اپنے دیگر لوازم میں خرچ کرے۔ اور میں خود اس کی نماز جنازہ کے لئے نیشاپور آؤں گا۔"

جب راوی نیشاپور آیا تو اسی طرح عمل کیا جس طرح حضرت نے فرمایا تھا۔ روز مقررہ کو حضرت شطیطہ کی نماز پڑھانے کے لئے تشریف لائے اور فرمایا: "میرا سلام اصحاب و شیعان تک پہنچا دینا اور کہنا کہ میں اور تمام آئمہ تمہارے جنازوں پر حاضر ہوں گے جہاں بھی تم ہو گے۔"[1]

اخبارِ غیبی حضرت امام علی بن موسیٰ رضا علیہم السلام

حضرت کے اخبار غیبی تو بہت ہیں ہم ان میں سے چند پر اکتفا کریں گے:

---

[1] اس روایت کی تفصیل مناقب اور بحار کمپانی جلد ۱۱، صفحہ ۲۵۲ پر مذکور ہے حضرت کے تمام اخبارِ غیبی مناقب کی فصل "اخبارات غیبی آنحضرت" میں صفحہ ۲۸۷ - ۲۹۵ مذکور ہیں۔

(۱) حضرت امام رضا علیہ السلام اپنے چچا محمد بن جعفرؒ کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے جو شدتِ مرض میں حالت احتضار میں تھے اور اعزا نے ان کو میت کی شکل دے رکھی تھی۔ اور ان کے بھائی خاندان والوں سمیت رو رہے تھے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام اپنے چچا اسحٰق کو دیکھ کر جو بہت رو رہے تھے، ہنس پڑے۔ حاضرین کو آپ کا تبسم ناگوار گزرا۔ حضرت گھر سے باہر آئے۔ راوی نے کہا: "میں آپ پر قربان! آپ کے تبسم کے وقت لوگ ناشائستہ الفاظ کہہ رہے تھے۔"

حضرت نے فرمایا "مجھے اسحاق کے رونے سے تعجب ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے چچا تندرست ہو جائیں گے اور اسحاق محمد سے پہلے مر جائیں گے اور محمد ان پر گریہ کریں گے۔"

راوی کہتا ہے کہ جس طرح آپ نے فرمایا تھا ویسے ہی ہوا۔[۱]

(۲) حضرت امام رضا علیہ السلام کے بھائی حسین سے مروی ہے کہ ہم ایک جماعت کے ساتھ حضرت کی خدمت میں تھے۔ ناگاہ جعفر بن عمر علوی پریشانی اور فقر کی حالت میں ہمارے سامنے سے گزرے ہم انہیں دیکھ کر ہنسے۔ حضرت نے فرمایا: "ہنسنے کی ضرورت نہیں۔ بہت جلد تم دیکھو گے کہ اس کا مال اور پیرو زیادہ ہوں گے۔"

راوی کہتا ہے کہ ایک مہینہ نہیں گزرا تھا کہ جعفر مدینہ کے حاکم ہو گئے اور ان کی حالت اچھی ہو گئی۔[۲]

(۳) احمد بزنطی اور ابن کثیر کو حضرت نے اُن کے دل کے پوشیدہ حالات بتا دیئے۔[۳]

---

[۱] یہ حدیث صدوق نے عیون میں نقل کی ہے اور بحار میں بھی مذکور ہے۔

[۲] و [۳] یہ روایت کتاب عیون میں نقل ہوئی۔ اس کتاب (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

(۴) اپنی شہادت اور خراسان میں ہارون کے سرہانے دفن ہونے کی بھی حضرت نے خبر دی۔[1]

(۵) حضرت نے اپنے ایک شیعہ کو لکھا کہ اللہ تعالیٰ تجھے ایک بیٹا اور ایک بیٹی دے گا۔ بیٹے کا نام محمد اور بیٹی کا نام فاطمہ رکھنا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔[2]

(۶) ایک دن حضرت امام رضا علیہ السلام نے ایک شخص کو کہا کہ وصیت کر لے اور موت کے لیے تیار ہو جا۔ وہ تیسرے دن دنیا سے رخصت ہوا۔

(۷) عبداللہ بن ہارون کے اس کے بھائی محمد بن زبیدہ کے ہاتھوں قتل، آلِ برمک کے حالاتِ مستقبل اور حسن وشار کے مسائل سے آپ نے سوال ہونے سے پہلے ہی خبر دے دی۔[3]

(۸) احمد بن عمرو کہتا ہے کہ میں خدمتِ امام ہشتم علیہ السلام میں حاضر ہوا۔ عرض کیا: "میری بیوی حاملہ ہے۔ دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ اسے بیٹا عنایت فرمائے۔"

حضرت نے فرمایا: "بیٹا ہوگا۔ اس کا نام عمر رکھنا۔"

میں نے عرض کیا" میں نے ارادہ کیا تھا کہ اگر بیٹا ہوا تو علی نام رکھوں گا اور گھر والوں سے بھی یہی کہا تھا۔"

حضرت نے پھر فرمایا: "اس کا نام عمر رکھو۔"

جب واپس ہوا اور کوفہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ بچہ کا نام علی رکھا گیا

(بقیہ حاشیہ) میں حضرت کے اخبار غیبی میں ۴۴ خبریں مذکور ہیں۔ ان کی طرف رجوع کریں۔ مناقب کے باب "اخباراتِ غیبی حضرت رضا اور آپ کے تمام زبانوں کے علم کے بارے میں صفحہ ۳۳۳ - ۳۴۲ تک تشریح کے ساتھ روایات درج ہیں۔

[1] و [2] و [3] بحار جلد ۴۹، صفحہ ۲۹ - ۸۱ پر بھی مذکور ہے۔

ہے۔ میں نے بدل کر عمر نام رکھ دیا۔ لوگوں نے کہا: "ہم تیرے بارے میں لوگوں کی باتیں قبول نہ کریں گے (کہ تو شیعہ ہے)"۔
میں سمجھ گیا کہ مہربان امام نے مجھے دشمنوں کے شر سے بچانے کے لئے یہ حکم دیا ہے۔[1]

اخبارات غیبی حضرت امام محمد تقی جواد علیہ السلام

بہت سی غیبی خبریں ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:
(۱) جب امام رضا علیہ السلام نے خراسان میں انتقال فرمایا اور عالم آخرت کو اپنے نور سے منور فرمایا تو امام جواد علیہ السلام نے مدینہ میں فرمایا: "اس وقت میرے پدر بزرگوار نے دنیا سے عالم آخرت کی طرف انتقال فرمایا۔ میں حضرت کو خراسان میں دفن کر کے واپس آیا ہوں"۔[2]
(۲) کتاب مناقب میں منقول ہے کہ کچھ لوگ مکہ مکرمہ میں حضرت کے نسب پر شک کرتے تھے۔ انہوں نے حضرت کو قیافہ شناسوں کے سامنے پیش کیا گیا۔ جونہی ان کی نظر حضرت پر پڑی انہوں نے اپنے آپ کو سجدہ میں گرا دیا۔ پھر اُٹھے اور شک کرنے والوں کی طرف رُخ کیا اور کہا: "افسوس ہے تم پر۔ کیا تم اس ستارہ درخشاں اور ماہتاب منور کو ہمارے سامنے لائے ہو؟ خدا کی قسم ان کا حسب و نسب پاک و پاکیزہ ہے۔ یہ ستارہ ہائے درخشاں اور رحم ہائے پاک سے پیدا ہوئے ہیں۔ خدا کی قسم! یہ بلاشک ذریت رسولؐ و امیرالمومنینؑ سے ہیں"۔
اس وقت آپ کی عمر پچیس ۲۵ ماہ تھی۔ حضرت نے فصیح و بلیغ زبان میں

---

[1] بحار کمپانی، جلد ۱۲ صفحہ ۱۵ پر خرائج سے نقل ہوا۔
[2] بحار جلد ۱۲، صفحہ ۹۱ پر کشف الغمہ اور خرائج سے نقل ہوا۔

ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس کا ترجمہ اس طرح ہے :

"حمد و ثنا ہے اللہ کے لئے جس نے ہمیں اپنے نور سے خلق فرمایا۔ ہمیں لوگوں میں برگزیدہ، مخلوقات کا اور اپنی وحی کا امانت دار قرار دیا۔ لوگو! میں ہوں محمدؑ بن علی الرضاؑ ابن موسیٰ کاظمؑ بن جعفر صادقؑ ابن محمد باقرؑ ابن علی سید العابدینؑ بن حسین سید الشہداءؑ بن علیؑ ابن ابی طالب علیہم السلام اور فرزند ہوں فاطمۃ الزہرا علیہا السلام بنت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا۔ کیا مجھ جیسے شخص پر شک کیا جا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اور میرے جد بزرگوار پر افترا ر باندھا جا رہا ہے۔ اور مجھے قیافہ شناسوں کے سامنے لایا گیا ہے۔ خدا کی قسم! میں جانتا ہوں ان کا مخفی اور جو کچھ ان کے قلوب میں ہے۔ خدا کی قسم! میں سب لوگوں سے بڑا عالم ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ ان لوگوں کے کاموں کا انجام کیا ہو گا۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں سب حق ہے۔ میرا کلام صدق ہے جس کا میں اظہار کر رہا ہوں۔ یہ وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے خلقتِ آسمان و زمین سے قبل مجھے مرحمت فرمایا تھا۔ خدا کی قسم! اگر ہم پر اہلِ باطل کا غلبہ اور اہلِ کفر و شرک و نفاق کا تسلط نہ ہوتا تو میں تمہیں وہ باتیں بتاتا کہ اولین و آخرین ان پر تعجب کرتے" یہ کہہ کر اپنا دستِ مبارک اپنے دہن مقدس پر رکھا اور فرمایا "اے محمدؑ! خاموش ہو جا جس طرح تیرے آبا نے سکوت اختیار فرمایا تھا اور صبر کر جس طرح پیغمبرانِ اولوالعزم نے صبر فرمایا تھا۔"[۱]

(۳) صالح بن عطیہ سے فرمایا! "تو حرم مکہ سے باہر نہ نکلے گا کہ ایک کنیز خریدے گا جس سے تیرا ایک بیٹا پیدا ہو گا۔" راوی کہتا ہے :

---

[۱] بحار کمپانی جلد ۱۲ صفحہ ۱۰۰ اور جلد ۵۰ صفحہ ۸ پر یہ روایت کتاب مناقب سے منقول ہوئی۔

ایسا ہی ہُوا اور بیٹے کا نام میں نے محمد رکھا۔[1]

(۴) ایک جماعت جو سفر کا قصد رکھتی تھی اسے فرمایا: "راستہ میں فلاں مقام پر تم راستہ بھول جاؤ گے اور پھر فلاں مقام پر فلاں وقت راستہ پا لوگے۔" وہی ہوا جو حضرت نے فرمایا تھا۔[2]

(۵) محمد بن فضیل صیرفی نے حضرت کو ایک خط لکھا اور اس میں اپنی حاجات و مسائل کا ذکر کیا۔ پھر حضرت کو خط روانہ کرنا بھول گیا۔ حضرت نے خط حاصل کئے بغیر اس کا جواب بھیج دیا۔[3]

(۶) ابراہیم بن سعید کہتا ہے میں خدمتِ امام جواد علیہ السلام میں حاضر تھا۔ ایک گھوڑی حضرت کے سامنے سے گزری۔ حضرت نے فرمایا: "آج رات کو اس گھوڑی کے بچہ پیدا ہوگا جس کی پیشانی سفید ہوگی۔"

ابراہیم کہتا ہے کہ میں نے حضرت کی خدمت سے رخصت طلب کی اور چلا گیا۔ رات کو میں نے گھوڑی کے مالک کے گھر پر قیام کیا تاکہ حضرتؑ کے فرمان کا اثر دیکھوں۔ جو کچھ حضرتؑ نے فرمایا تھا ویسا ہی ہُوا۔ پھر میں حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ حضرتؑ نے فرمایا: "اے سعید کے بیٹے! تو نے ہماری بات پہ شک کیا، جان لے کہ تیری بیوی کے ایک بیٹا ہوگا جس کی آنکھ میں نقص ہوگا۔" حضرت نے جو فرمایا تھا وہی ہُوا۔[4]

---

[1] بحار جلد ۱۲ صفحہ ۱۰۹ پہ کتاب خرائج اور صفحہ ۱۱۳ پر سید ابن طاؤس کی کتاب سے یہ روایت نقل ہوئی۔

[2] بحار جلد ۱۲ صفحہ ۱۰۹ اور جلد ۵۰ صفحہ ۴۵ پہ خرائج سے نقل کیا گیا۔

[3] بحار کمپانی جلد ۱۲، صفحہ ۱۱۳ پر کتاب خرائج سے منقول ہوئی۔

[4] بحار جلد ۱۲، صفحہ ۱۱۳ پر سید ابن طاؤس کی کتاب نجوم (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

اخباراتِ غیبی حضرت امام علی نقی الہادی علیہ السلام

آپ کے اخبارِ غیبی بہت زیادہ ہیں۔ ہم چند ایک کا بطورِ نمونہ ذکر کریں گے:

(۱) متوکل کوشش کرتا تھا کہ کسی طرح حضرت امام علی نقی علیہ السلام کو لوگوں کے درمیان اتہام لگائے اور ذلیل کرے لیکن اس سے یہ ممکن نہ ہوتا تھا۔ آخر لوگوں نے ایک تدبیر سوچی کہ آپ چونکہ ابن رضاؑ کے نام سے مشہور ہیں اور آپ کا بھائی موسیٰ بھی ابن رضا ہی ہے، تو موسیٰ کو فسق و فجور کی محفل میں شامل کیا جائے تاکہ لوگ یہ کہنے لگیں کہ ابن رضاؑ نے ایسا ایسا کام کیا۔ متوکل نے موسیٰ کو بلایا۔ حضرت امام نے ہر چند اُسے منع کیا لیکن وہ نہ مانا۔ آخر حضرتؑ نے موسیٰ سے کہا: "تو کبھی متوکل کے پاس نہ پہنچ پائے گا اور نہ ہی تو اپنے مقصد کو پہنچے گا۔"

راوی کہتا ہے موسیٰ چلا گیا اور تین سال تک ہر روز متوکل کے محل کو جاتا رہا لیکن کسی دن بھی یہ ممکن نہ ہوا کہ وہ متوکل کی محفل میں شامل ہوتا۔ اس کے دروازے سے واپس آجاتا تھا۔ حتیٰ کہ متوکل

(بقیہ حاشیہ) سے یہ روایت نقل ہوئی۔ بحار میں ہے کہ جب مامون کی بہن نے حضرت جواد علیہ السلام سے درخواست کی کہ ام الفضل کے پاس آئیں۔ تاکہ وہ دونوں کو اکٹھا دیکھ لے۔ حضرت تشریف لائے لیکن فوراً ہی واپس چلے گئے۔ آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ ام الفضل کے ساتھ عورتوں کا حادثہ پیش آچکا ہے (یعنی حائضہ ہے) خواہر مامون نے پوچھا "کیا آپ علم غیب جانتے ہیں؟" فرمایا "نہیں! لیکن تعلیم خدا سے جانتا ہوں۔" یعنی علم غیب بذاتِ خود بغیر تعلیم پروردگار نہیں جانتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے جانتا ہوں۔

مارا گیا۔[1]

(۲) حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے مدینہ میں خیران اسباطی سے پوچھا: "خلیفہ عباسی واثق کی کیا خبر ہے؟"

اس نے عرض کیا: "دس دن قبل میں نے دیکھا تھا، بخیر و عافیت تھا۔"

حضرت نے فرمایا: "اہل مدینہ کہتے ہیں کہ واثق مر گیا ہے۔"

خیران کہتا ہے میں نے سمجھا کہ اہل مدینہ سے مراد خود حضرت ہیں پھر حضرت نے پوچھا: "جعفر (یعنی متوکل) کس حال میں ہے؟"

خیران نے کہا: قید میں ہے اور بدترین حال میں ہے۔"

حضرت نے فرمایا: "وہ خلیفہ بنے گا" پھر پوچھا: ابن زیات نے کیا کیا ہے؟"

خیران نے جواب دیا: "لوگ اس کے تابع اور فرمانبردار ہیں۔" (ابن زیات وزیر تھا)

حضرت نے فرمایا: "اس کو بھی موت نے آلیا" اس کے بعد فرمایا: "مقدرات جاری ہوتے رہتے ہیں۔ واثق مر گیا ہے اور جعفر متوکل اس کا جانشین اور خلیفہ بن گیا ہے اور ابن زیات مارا گیا ہے۔"

خیران نے پوچھا: "میں آپ پر قربان! یہ کب ہوا؟"

امامؑ نے فرمایا: "تمہارے وہاں سے نکلنے کے چھ روز بعد۔"[2]

(۳) حضرت نے متوکل کے قتل کی خبر ایک روایت کے مطابق

---

[1] اس روایت کو شیخ کلینی نے کافی میں، مفید نے ارشاد میں اور ابن شہر آشوب نے مناقب میں لکھا ہے۔

[2] اس روایت کو کافی وارشاد و مناقب وخرائج وغیرہ میں نقل کیا گیا ہے۔

پندرہ روز اور دوسری روایت کے مطابق تین روز قبل دے دی تھی۔ [۱]

(۴) کچھ سادات سال کے چار روزوں کے تعین ایام میں اختلاف کرنے لگے۔ امام ہادی علیہ السلام کی خدمت میں آئے۔ ابھی سوال نہیں کیا تھا کہ فرمایا تم اس سوال کے لئے آئے ہو اور اس کا جواب یہ ہے۔ [۲]

(۵) اصفہان کے بعض لوگوں نے عبدالرحمٰن اصفہانی سے اس کے شیعہ ہونے کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا: "ایک سال ہم متوکل سے ظلم و تکلیف کی شکایت کرنے کے لئے سامرا گئے۔ متوکل کے محل کے باہر ہی تھے کہ اس کی جانب سے حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے کا حکم ملا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں جن کے سامنے حاضر ہونے کا متوکل نے حکم دیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ایک علوی شخص ہے رافضی جس کی امامت کے قائل ہیں۔ میں نے سوچا کہ شاید متوکل نے ان کے قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ پھر اپنے دل میں کہا کہ اس وقت تک صبر کروں گا جب تک انہیں دیکھ نہ لوں۔ اچانک میں نے دیکھا کہ آپ دور سے ظاہر ہوئے اور لوگ (احترام سے) ان کے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے اور آپ کو دیکھنے لگے۔ میری نظر بھی آپ پر پڑی۔ آپ کی محبت میرے دل میں جاگزیں ہو گئی اور میں اپنے دل میں ان کے لئے دعا کرنے لگا کہ خدایا ان سے متوکل کے شر کو دور فرما۔ جب آپ میرے سامنے پہنچے تو میری طرف رُخ کر کے فرمایا: "خدا نے تیری دعا قبول فرمالی۔ اور تیری عمر و اموال و اولاد کو زیادہ کر دیا۔ آپ کے کلام

---

[۱] بحار کمپانی جلد ۱۲، صفحہ ۱۴۳ اور مکرر صفحہ ۱۴۴، ۱۴۴ - ۱۴۹ پر متعدد کتب سے مذکور ہے۔

[۲] بحار کمپانی جلد ۱۲ صفحہ ۱۳۶ پر کتاب مصباح و مناقب و خرائج سے منقول ہوا۔

سے میرا بدن لرز گیا اور میں نے کسی سے یہ بات نہ کہی۔ میرے مال میں اضافہ ہُوا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے دس بیٹے عطا فرمائے۔ پس میں نے آپ کی امامت کو قبول کر لیا۔" [۱]

(۶) ایک شخص خوف زدہ، کانپتا ہُوا حضرت کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا: "میرے بیٹے کو آپ کی محبت کی وجہ سے گرفتار کر لیا گیا ہے اور اسے قتل کرنا چاہتے ہیں۔"

حضرت نے فرمایا: "تجھے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ سکون رکھ کہ کل تیرا بیٹا صحیح و سالم آجائے گا۔"

جب صبح ہوئی تو اس کا بیٹا واپس آگیا اور دشمنوں کے عمل کو بیان کیا: "جب انہوں نے میرے لیے قبر کھودی، میرے ہاتھ باندھ دیئے تو میرا گریہ بڑھا۔ ناگاہ دو شخص جو پاک و پاکیزہ تھے اور ان میں خوشبو آتی تھی، آپہنچے۔ انہوں نے مجھے اُن کے ہاتھ سے نجات دلائی اور ان سب کو ہلاک کر دیا۔" [۲]

(۷) جس وقت امام محمد تقی علیہ السلام دنیا سے تشریف لے گئے۔ اس وقت امام علی نقی علیہ السلام کی عمر تقریباً آٹھ سال تھی۔ آپ حینیرہ یعنی حرم امام حسینؑ میں تھے۔ آپ نے خبر دے دی کہ اس وقت میرے پدر بزرگوار دنیا سے رخصت ہُوئے۔ [۳]

(۸) جب جعفر کذاب پیدا ہُوا تو گھر والے سب خوش تھے سوائے

---

[۱] یہ روایت کتاب خرائج وغیرہ میں مذکور ہے۔
[۲] تفصیل کتاب مناقب وغیرہ میں مذکور ہے۔
[۳] بحار کمپانی جلد ۱۲ صفحہ ۱۴۰ پر کتاب دلائل حمیری سے نقل ہوا۔ اور جلد ۵۰ صفحہ ۱۷۶۔ ۱۸۲ پر بھی مذکور ہوا۔

امامؑ کے جوافسردہ تھے۔ آپ سے اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ یہ بچہ ایک جماعت کی گمراہی کا سبب بنے گا۔[1]

(۹) ایوب بن نوح نے قاضیٔ کوفہ کی شرارت کی حضرت سے شکایت کی۔ حضرت نے فرمایا "دو ماہ بعد اس کی شرارت سے محفوظ ہو جاؤ گے"۔ ایوب کہتا ہے کہ دو ماہ کے اندر اندر وہ قاضی کوفہ سے معزول ہو گیا۔[2]

(۱۰) ایک شخص آپ کی نسبت توہین آمیز باتیں کرتا اور ہنس رہا تھا۔ حضرت نے اس کی طرف رُخ کیا اور فرمایا: "آج تو ہنس رہا ہے اور تین دن بعد تو اہلِ قبور سے ہو گا"۔

راوی کہتا ہے ہم اس کے حال کی طرف متوجہ رہے۔ وہ تیسرے دن دنیا سے رخصت ہوا۔[3]

(۱۱) ایک جماعت نے روایت کی کہ ہم خدمتِ امام میں حاضر تھے خلیفہ عباسی کے کارندوں میں سے ایک شخص نخوت و تکبر و خود پسندی کے ساتھ امام کے سامنے سے گزرا۔ حضرت نے فرمایا: "آج نخوت و خوشحالی کی اس حالت میں ہے جب کہ حالت یہ ہے کہ صبح کی نماز سے پہلے یہ شخص مر جائے گا"۔ جس طرح آپ نے فرمایا تھا ویسے ہی ہوا۔[4]

ہم انہی چند احادیث پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ اس مختصر کتاب میں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں۔

---

[1] بحار کمپانی جلد ۱۲ صفحہ ۱۴۰ پر کتاب دلائل حمیری سے نقل ہوا۔ اور جلد ۵۰، صفحہ ۱۷۶۔ ۱۸۲ پر بھی مذکور ہوا۔

[2] بحار جلد ۱۲، صفحہ ۱۴۰ پر دلائل حمیری اور خرائج سے نقل ہوئی۔

[3] بحار جلد ۱۲ صفحہ ۱۴۲ پر کتاب اعلام الوریٰ سے نقل ہوئی۔

[4] بحار کمپانی، جلد ۱۲ صفحہ ۱۴۳ پہ شیخ نجاشی سے منقول ہے۔

اخبارِ غیبی حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام

آپ کے بہت سے اخبارِ غیبی میں سے چند ایک سپردِ قلم کئے جاتے ہیں:

(۱) حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے خلیفہ عباسی مستعین کی خلافت سے علیحدگی کی خبر تین روز پہلے ہی دے دی۔ راوی کہتا ہے کہ تیسرے دن مستعین خلافت سے معزول ہو گیا اور معتز عباسی نے اس کی جگہ خلافت سنبھالی۔[۱]

(۲) معتز کی معزولی کی بھی آپ نے خبر دی اور وہ اس کے تیسرے روز معزول ہو گیا۔[۲]

(۳) حضرت نے کسی شخص کو لکھا کہ محمد بن داود کا بیٹا دس روز بعد مارا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔[۳]

(۴) معتز کے بعد مہتدی عباسی خلیفہ ہوا۔ حضرت نے احمد بن محمد کو لکھا کہ آج سے گننا شروع کرے۔ چھٹے دن مہتدی مارا جائے گا اور ایسا ہی ہوا۔[۴]

---

[۱] بحار کمپانی جلد ۱۲ صفحہ ۱۵۷ پر کتاب مناقب و خرائج و غیبت شیخ طوسی سے اور صفحہ ۱۷۲ پر مصبیح سید ابن طاؤس سے نقل کی گئی۔

[۲] بحار جلد ۱۲، صفحہ ۱۵۸ پر کتاب اعلام الوریٰ اور غیبت طوسیؒ اور صفحہ ۱۶۸-۱۶۹ پر کشف الغمہ سے نقل ہوئی۔

[۳] کتاب کافی و ارشاد وغیرہ میں مذکور ہے۔

[۴] کتاب کافی و ارشاد میں مذکور ہے۔ بحار کمپانی جلد ۱۲، صفحہ ۱۷۱ پر طبرسی کی کتاب اعلام الوریٰ اور ارشاد سے یہ روایت نقل ہوئی۔

(۱۵) کتاب خرائج میں بذریعہ احمد بن محمد، جعفر بن شریف گرگانی سے منقول ہے کہ میں ایک سال سفرِ حج کے دوران سامرا میں امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں پہنچا۔ ابھی اکیلے ہی تھے اور میں نے ابھی نہیں کیا تھا کہ امانتوں کا کیا کروں، کہ آپ نے فرمایا: "خادم مبارک کو دے دو۔"

میں نے ایسا ہی کیا اور کہا: "شیعانِ گرگان نے آپ کو سلام بھیجا ہے۔"

حضرت نے فرمایا: "آج سے حساب لگا لو۔ ۱۷ روز بعد، جمعہ کی صبح سوم ربیع الآخر کو تم گرگان پہنچو گے۔ وہاں کے شیعوں کو مطلع کرنا کہ میں دن کے آخری حصہ میں اُن کے پاس پہنچوں گا۔ اور یہ بھی جان لو کہ تم خود اپنے مال سمیت صحیح سلامت گرگان پہنچ جاؤ گے۔ تمہارے ہاں ایک شریف بیٹا پیدا ہو گا۔ اس کا نام صلت رکھنا وہ ہمارے دوستوں سے ہو گا۔"

میں نے عرض کیا: "یا ابن رسول اللہؐ! آپ کے شیعوں میں ایک ابراہیم بن اسمٰعیل گرگانی ہے۔ جو آپ کے شیعوں پر بہت احسان کرتا ہے اور ہر سال ایک لاکھ درہم سے زیادہ انہیں دیتا ہے۔"

حضرت نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ یہ اس سے قبول فرمائے۔ اور اس کے گناہوں کو بخش دے اور اسے ایک بیٹا عنایت فرمائے جو مکمل طور پر حق پرست ہو گا۔ (یا یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے قبول کیا، اسے بخش دیا اور ایک مکمل حق پرست بیٹا اسے عطا فرمایا) اس سے کہنا کہ حسنؑ بن علی کہتے ہیں کہ اپنے بیٹے کا نام احمد رکھنا۔"

جعفر کا بیان ہے کہ "میں حضرت کی خدمت سے فارغ ہو کر حج کو گیا اور جس روز امام نے فرمایا تھا۔ بخیر و عافیت گرگان پہنچا۔ میرے

دوست اور شیعہ مجھے ملنے آئے۔ میں نے ان سے وعدہ کیا کہ دن کے آخر وقت امام تشریف لا رہے ہیں۔ اس کے لئے تیار ہو جائیں کہ اپنی حاجات اور مسائل حضرت کے سامنے پیش کر سکیں" جعفر کہتا ہے۔ "ظہر و عصر کی نماز کے بعد لوگ میرے گھر پر جمع ہو گئے۔ امام علیہ السلام نے میرے گھر نزول اجلال فرمایا اور مجھے سلام کیا۔ ہم نے حضرت کا استقبال کیا اور آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ حضرت نے فرمایا" میں نے جعفر بن شریف سے وعدہ کیا تھا کہ آج آؤں گا۔ میں نے نماز ظہر و عصر سامرا میں پڑھی اور تمہارے پاس آ گیا ہوں۔ لہذا اپنی حاجات اور مسائل پیش کرو۔ جس شخص نے سب سے پہلے حرکت کی وہ نصر بن جابر تھا۔ اس نے کہا: یا ابن رسول اللہ! ایک ماہ ہوا کہ میرا بیٹا نابینا ہو گیا ہے۔ دعا فرمائیں کہ وہ بینا ہو جائے۔ حضرت نے فرمایا: اُسے یہاں لے آؤ۔ وہ لے آیا۔ حضرت نے اپنا دست مبارک اس کی آنکھوں پر پھیرا۔ وہ بینا ہو گیا۔ اس کے بعد ہر شخص یکے بعد دیگرے اپنی حاجت بیان کرنے لگا۔ حضرت نے سب کی حاجات پوری فرمائیں، ان کے لئے دعا کی اور واپس تشریف لے گئے"۔ [۱]

(۶) محمد بن علی بن ابراہیم بن حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہم فقر میں مبتلا ہوئے۔ اور اپنے باپ کے ساتھ سامرہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں روانہ ہوئے۔ راستہ میں جب

---

[۱] یہ روایت بحار میں منقول ہے۔ مؤلف کہتا ہے کہ گرگان میں ایک مسجد حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے نام سے مشہور ہے۔ ممکن ہے گرگان کے شیعوں نے جعفر کے گھر کو، جس میں حضرت تشریف لے گئے تھے، مسجد بنا لیا ہو، مسجد اب تک باقی ہے۔ ممکن ہے مسجد نئی بنائی گئی ہو۔

ہم جا رہے ہیں تو میرے باپ نے کہا: "اگر امام نے مجھے پانچ سو درہم مرحمت فرمائے تو دو سو درہم اپنے لباس پہ خرچ کروں گا۔ دو سو درہم دین کی خاطر (یا کسی اور چیز پہ) اور ایک سو درہم دیگر اخراجات میں صرف کروں گا۔" محمد کہتا ہے: "میں بھی اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ اگر مجھے امام نے تین سو درہم عطا فرمائے تو بہت اچھا ہوگا۔ ایک سو درہم سے خچر خریدوں گا، ایک سو دیگر اخراجات پر اور ایک سو درہم لباس پر خرچ کروں گا کہ پہاڑ کی جانب سفر کر سکوں۔"

محمد کہتا ہے:" جونہی ہم امام کے خانۂ اقدس کے دروازہ پر پہنچے۔ حضرت کا غلام باہر آیا اور کہا: علی بن محمد اپنے بیٹے کے ساتھ داخل ہو جائے، ہم اندر گئے اور کچھ دیر حضرت کی خدمت میں حاضر رہے جب باہر آئے تو حضرت کے غلام نے آ کر میرے باپ کو رقم کی ایک تھیلی دی اور کہا یہ پانچ سو درہم ہیں۔ ان میں دو سو لباس کے لئے، دو سو دینی کاموں (یا دوسرے کاموں) کے لئے اور ایک سو دیگر اخراجات کے لئے ہیں۔ پھر مجھے ایک تھیلی دی اور کہا اس میں تین سو درہم ہیں۔ ایک سو سواری کے لئے، ایک سو برائے لباس اور ایک سو دیگر اخراجات کے لئے ہیں۔ جبل کی طرف نہ جا بلکہ سورار (عراق میں حلّہ کے نزدیک) کی طرف جا۔ وہ کہتا ہے ہم نے ایسا ہی کیا۔ سورا میں میں نے ایک عورت سے شادی کی اور اس سے مجھے ایک ہزار دینار ملے۔[1]

(۷) اسمٰعیل بن محمد عباسی کہتا ہے میں نے حضرت کی خدمت میں اپنے فقر کی شکایت کی اور قسم کھائی میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ حضرت

---

[1] یہ روایت کتاب کافی و ارشاد مفید اور مناقب ابن شہر آشوب وغیرہ میں مذکور ہے۔

نے فرمایا "تو جھوٹی قسم کھاتا ہے۔ تو نے دو سو دینار زمین میں دفن کئے اور ذخیرہ کیا ہے تو اس رقم سے محروم ہو جائے گا۔" ایسا ہی تھا اور یونہی ہوا۔ میرے بیٹے نے وہ جگہ معلوم کر کے رقم چرا لی [1]

(۸) محمد بن الربیع نسائی کہتا ہے کہ ہم نے اہواز میں ایک مشرک سے مناظرہ کیا جو دو قدیم کا معتقد تھا۔ اس کی بات نے میرے دل کو متاثر کیا۔ پھر میں سامرا آیا۔ ایک دن میں احمد بن خضیب کے گھر کی ڈیوڑھی میں بیٹھا تھا کہ امام حسن عسکری علیہ السلام تشریف لے آئے میری طرف دیکھا اور انگشت مبارک سے اشارہ کر کے فرمایا "احد؟ احد؟ فرد؟" (یعنی قدیم صرف ایک ہے، صرف ایک ہے)۔ میں حضرت کا سلام سن کر بے ہوش ہو گیا اور گر پڑا۔ [2]

(۹) جب حضرت امام علی نقی ہادی علیہ السلام نے دنیا سے انتقال فرمایا اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام آپ کی تجہیز میں مشغول تھے

---

[1] اس اجمال کی تفصیل کافی وارشادِ مفید اور بحار میں ارشاد و خرائج سے منقول ہوئی ہے نیز کافی وارشاد میں حسن بن ظریف سے منقول ہے کہ اس نے کہا: "میں نے ایک خط حضرت کی خدمت میں ارسال کیا اور سوال کیا کہ جب حضرت قائم علیہ السلام حکومت قائم کریں گے تو کس طرح حکومت کریں گے۔ میں دوسرا سوال بھول گیا۔" خط کا جواب آیا جس میں فرمایا "جب قائم علیہ السلام حکومت کریں گے تو اپنے علم کے مطابق لوگوں پر حکومت کریں گے تو چاہتا تھا کہ بخار کو کیسے دفع کرے۔ یہ پوچھنا تو بھول گیا تھا۔ بخار کے لئے کاغذ کے ایک ٹکڑے پر آیہ مبارکہ "یانار کونی برداً و سلاماً علی ابراھیم" لکھ کر بخار والے آدمی کے گلے میں لٹکائے۔" راوی کہتا ہے میں نے ایسا ہی کیا اور مریض ٹھیک ہو گیا۔

[2] اس کی تفصیل کافی میں ہے۔ بحار جلد ۱۲ صفحہ ۱۶۷ پر کتاب کشف الغمہ اور خرائج سے نقل ہوا انہوں نے کلام امام کو اس طرح نقل کیا ہے (احد احد فوحدہ) یعنی ایک ہے ایک ہے اسے ایک ہی جان۔

تو چند غلاموں نے چوری کرنا شروع کر دی۔ تجہیز و تکفین کے بعد ان کو ایک ایک کو بلایا اور فرمایا کہ سچ بتا دو تاکہ میرے مؤاخذہ سے امن میں رہو۔ اس کے بعد آپ نے ان میں ہر ایک کی چوری سے خصوصیت کے ساتھ خبر دی۔[1]

(۱۰) علی ابن زید حضرت کی ڈیوڑھی تک حاضر خدمت تھا۔ جب اس نے واپس ہونا چاہا تو حضرت نے کچھ دیر کے لئے اسے روک لیا پھر حضرت اپنے خانۂ اقدس میں تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد مجھے اندر بلایا۔ جب میں اندر گیا تو حضرت نے دو سو دینار مجھے عطا فرمائے اور فرمایا اس رقم سے ایک کنیز خرید لو کیونکہ تمہاری فلاں کنیز دنیا سے رخصت ہو گئی ہے۔ راوی کہتا ہے جب میں گھر سے چلا تھا۔ تو کنیز بالکل تندرست اور بہ عافیت تھی۔ لیکن جب گھر پہنچا تو جس طرح آپ نے فرمایا تھا وہ ہو چکا تھا۔[2]

(۱۱) ابن فرات کہتا ہے کہ مجھے اپنے چچا زاد بھائی سے دس ہزار درہم لینا تھے اور وہ دیتا نہ تھا۔ میں نے سب حال حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں لکھ بھیجا۔ حضرت نے جواب میں لکھا کہ وہ تمہاری رقم واپس کر دے گا اور جمعہ کے دن کے بعد مر جائے گا۔

راوی کہتا ہے کہ اس نے میری رقم واپس کر دی۔ میں نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ میں نے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ حضرت فرماتے ہیں تیری موت قریب ہے۔ اس لئے اپنے چچا زاد بھائی کا مال واپس کر دے۔[3]

---

[1] بحار جلد ۱۲، صفحہ ۱۶۰ اور جلد ۵۰، صفحہ ۲۵۹ پر خرائج سے درج ہوئی۔
[2] کتاب خرائج و مناقب و بحار میں یہ واقعہ مذکور ہے۔
[3] بحار کمپانی جلد ۱۲، صفحہ ۱۶۲ پر کتاب خرائج سے نقل ہوا۔

(۱۲) شاہویہ کہتا ہے کہ میرا بھائی صالح قید میں تھا۔ میں نے اس سلسلہ میں اپنے آقا و مولا حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں خط لکھا۔ حضرت نے جواب دیا: "جس دن میرا خط تمہیں ملے گا تمہارا بھائی قید سے رہا ہو جائے گا۔"

شاہویہ کہتا ہے کہ میں ابھی حضرت کا خط پڑھنے میں مصروف تھا کہ کسی نے مجھے میرے بھائی کی رہائی کی خوش خبری سنائی۔ اور میں نے دیکھا کہ وہ بھی آگیا ہے۔ میں نے حضرت کا خط اُسے پڑھ کر سنایا۔[۱]

(۱۳) علی بن محمد بن حسن کہتے ہیں، ہم کچھ لوگ اہواز آئے کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں پہنچیں۔ ایک جگہ بیٹھ کر حضرت کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ جب حضرت واپس تشریف لائے تو ہمارے نزدیک کھڑے ہو کر عمامہ سر مبارک سے اٹھایا اور دوسرے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ دستِ مبارک سرِ اقدس پر پھیرا۔ اور ہمارے ایک ساتھی کو دیکھ کر خندہ فرمایا۔ اچانک ہم نے دیکھا کہ وہ شخص کہنے لگا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ حجتِ خدا اور اللہ کی برگزیدہ ہستی ہیں۔"

ہم نے اس سے پوچھا: "کیا بات ہوئی؟"

اس نے کہا: "میں حضرت کی امامت پر شک کرتا تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر حضرت واپس آگئے اور سر مبارک سے عمامہ اتار لیا تو میں حضرت کی امامت کا اقرار کر لوں گا۔[۲]

---

[۱] کتاب مناقب ابن شہر آشوب میں مذکور ہے۔

[۲] بحار کمپانی جلد ۱۲ صفحہ ۱۶۷ پر کشف الغمہ، دلائل حمیری اور کتاب خرائج سے نقل ہوا۔ نیز کافی و خرائج میں اقرع سے منقول ہے، وہ کہتا ہے میں نے خدمت امام حسن عسکری علیہ السلام میں لکھا کہ کیا امام محتلم ہو جاتا ہے؟ خط لکھنے کے بعد میں نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

(۱۴) ایک علوی شخص سامرہ سے مال کمانے کی خاطر جبل کی طرف روانہ ہُوا۔ راستہ میں اس کی ایک ہمدانی سے ملاقات ہوئی۔ ہمدانی نے اس سے امام حسن عسکری علیہ السلام کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے کہا مجھے کچھ معلوم نہیں۔ ہمدانی نے کہا: "میں تمہیں پچاس دینار دیتا ہوں کہ میرے ہمراہ واپس چل کر مجھے امام کی خدمت میں پہنچا دو۔" چنانچہ دونوں واپس ہوئے جب امام علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے تو حضرت نے اس ہمدانی سے کہا: "تو فلاں بن فلاں ہے۔" ہمدانی نے اقرار کیا۔ حضرت نے فرمایا: "تیرا باپ دنیا سے انتقال کر گیا اور تجھے اس نے اپنا وصی قرار دیا۔ اور اس نے وصیت کی کہ چار ہزار دینار مجھے دئے جائیں۔ تو وہ رقم اپنے ساتھ لایا ہے وہ مجھے دے دے۔"

ہمدانی نے رقم حضرت کو پیش کر دی۔ حضرت نے اس علوی کی طرف دیکھا اور فرمایا: "تم طلب مال کی خاطر جبل کی طرف جا رہے تھے۔ اس شخص نے تمہیں پچاس دینار دئے تو تم واپس آ گئے۔ ہم بھی تمہیں پچاس دینار اپنے پاس سے دیتے ہیں۔" اس طرح حضرت نے اسے پچاس دینار عطا فرمائے۔[1]

(۱۵) ابو ہاشم جعفری حضرات امام رضاؑ، امام محمد تقی و امام علی نقی و امام

(بقیہ حاشیہ) دل میں سوچا کہ احتلام شیطان کے تصرف کے اثر سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کی اس سے حفاظت کرتا ہے۔ حضرت کا جواب آیا کہ امام کی حالت خواب اور بیداری دونوں میں یکساں ہوتی ہے اور نیند میں اُن کی حالت میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا اور جس طرح تو نے خیال کیا وہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کی اس سے حفاظت کرتا ہے۔

[1] تفصیل بحار کمپانی جلد ۱۲ صفحہ ۱۶۸ و جلد ۵۰ صفحہ ۲۹۵ پر کتاب کشف الغمہ اور خرائج سے منقول ہے۔

حسن عسکری اور صاحب الزمان علیہم السلام سب کے بزرگ، صاحب میں شمار ہوتے ہیں۔ وثاقت وجلالت میں ان کی کوئی نظیر نہیں۔ اکثر ان ائمہ علیہم السلام کی خدمت میں رہے تھے۔ انہوں نے آئمہ کے معجزات و آیات و اخبارات غیبی، جو ان کی خدمت کے دوران انہوں نے خود دیکھے تھے، پر مشتمل ایک کتاب تحریر کی۔ ان کے بارے میں خرائج و مناقب و اعلام الوریٰ میں منقول ہے کہ وہ کہتے ہیں: "میں کبھی بھی امام علی نقی اور امام حسن عسکری علیہما السلام کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا۔ مگر یہ کہ میں نے ہر مرتبہ ان حضرات کی امامت پر کوئی نہ کوئی برہان و دلیل مشاہدہ کی۔" ان کی تمام خبروں کو کتاب شریف کافی و ارشاد مفید و مناقب ابن شہر آشوب و خرائج و اعلام الوریٰ و کشف الغمہ و غیبت شیخ طوسی اور بحار وغیرہ میں نقل کیا گیا ہے۔[1]

(۱۶) ابو الادیان حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا خادم تھا اور آپ کے خطوط ہر طرف پہنچاتا تھا۔ اس کے ایک سفر پر روانگی کے وقت امام علیہ السلام نے فرمایا: "ان خطوط کو مدائن لے جانا۔ چودہ دن سفر میں لگیں گے پندرھویں دن سامرہ پہنچو گے۔ صدائے نالہ و گریہ و شیون سنو گے کیونکہ میں اس وقت دنیا سے جا چکا ہوں گا۔ اور مجھے مغتسل میت

---

[1] ابو ہاشم جعفری داود بن قاسم بن اسحاق بن عبداللہ بن جعفر طیار تھے جو امیر المومنین علیہ السلام کے بھائی تھے۔ ام حکیم اور ام فروہ قاسم بن محمد بن ابوبکر کی بیٹیاں تھیں۔ ام حکیم کی شادی اسحاق سے ہوئی اور اس سے قاسم پیدا ہوئے۔ ام فروہ سے حضرت امام محمد باقرؑ نے شادی کی اور اس سے حضرت صادق پیدا ہوئے۔ پس قاسم اور حضرت صادقؑ خالہ زاد بھائی ہیں۔ اور داؤد حضرت صادق کی خالہ کا نواسہ تھا اس کی وثاقت اور جلالت و بزرگی شان پر سب علماء کا اتفاق ہے۔ میں نے مستدرک سفینہ میں اس کے اور اس کے آباؤ اجداد کے احوال لکھے ہیں۔

نہلانے کی جگہ) میں پاؤ گے۔"
ابوالادیان نے عرض کیا "اگر یہی واقعہ پیش آئے تو آپ کے بعد امام کون ہوگا؟"
حضرت نے فرمایا: "امام وہ ہوگا جو تجھ سے خطوط کا جواب طلب کرے۔"
اس نے کہا: "کوئی اور نشانی بھی بیان فرمائیے۔"
حضرت نے فرمایا: "جو شخص مجھ پر نماز پڑھے گا وہ امام ہوگا۔"
اس نے کہا: "کچھ اور ارشاد فرمائیے۔"
امام نے فرمایا: "جو شخص تمہیں خبر دے گا کہ تھیلیوں میں کیا ہے وہ مخلوق کا امام ہوگا۔"
ابوالادیان کہتا ہے کہ حضرت کی ہیبت نے مجھے روکا کہ یہ پوچھوں کہ تھیلیوں میں کیا ہے۔ میں حضرت کی خدمت سے رخصت ہوا، خطوط پہنچائے، ان کے جواب لئے اور پندرھویں روز واپس آیا۔ ویسا ہی ہوا جیسا حضرت نے فرمایا تھا۔ میں نے دیکھا کہ جعفر کذاب بیٹھا تھا اور لوگ اس سے تعزیت کر رہے تھے۔ میں نے بھی تعزیت کی اور بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں خادم "عقید" آیا، جعفر کی طرف رخ کیا اور کہا: "آپ کے بھائی کی تکفین ہو چکی۔ اٹھیں اور ان کی نماز پڑھائیں۔" جعفر اٹھا۔ اور شیعہ ہر طرف سے اس کو پکڑے ہوئے گھر سے باہر آئے۔ جعفر نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھا۔ ابھی تکبیر نہیں کہی تھی کہ ایک پانچ سالہ طفل (صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلی آبائہ الطیبین) جس کا چہرہ ماہ درخشاں کی طرح منور تھا، نکلا، اپنے چچا کی عبا کو کھینچا اور اس نے فرمایا، چچا! پیچھے کھڑے ہوں۔ میں آپ سے زیادہ اس بات کا سزاوار ہوں کہ اپنے پدر بزرگوار کی نماز پڑھاؤں۔

جعفر پیچھے چلا گیا، پریشان ہوا اور اس کا رنگ زرد ہو گیا۔ میرے آقا زادہ نے نماز پڑھائی اور جب امام حسن عسکری علیہ السلام دفن ہو گئے تو میری طرف رُخ کر کے فرمایا "خطوط کے جواب لے آؤ"۔ میں نے پیش کیے اور دل میں کہا" خدا کا شکر ہے کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی بیان کردہ امام کی دو نشانیاں ظاہر ہو گئیں۔ اب تھیلی کی خبر باقی ہے۔
پھر ہم مجلس عزا میں آ کر بیٹھ گئے۔ کچھ لوگ قم سے آئے اور جعفر سے تعزیت کے بعد کہا: خطوط اور مال ہمارے پاس ہیں۔ ہمیں خبر دو کہ خطوط کہاں سے آئے ہیں اور رقم کتنی ہے؟، جعفر غصہ میں باہر نکل گیا اور کہنے لگا: "لوگ مجھ سے علم غیب پوچھتے ہیں"، اچانک امام علیہ السلام کا خادم باہر آیا اور اس نے خط بھیجنے والوں اور تھیلیوں کی رقم مقدار مال کی تشریح کی۔ اس پر خطوط اور رقوم امام کے خادم کے حوالے کر دیے گئے اور اس طرح حق اور حجت خدا ظاہر ہو گئے۔" الخ[1]

اخبارِ غیبی

حضرت امام زمان صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلی آبائہ الطیبین الطاہرین

آپ سے متعلق اخبار شمار میں نہیں آ سکتے۔ اس لیے ہم چند ایک بطور تبرک پیش کرتے ہیں:
(۱) کافی میں منقول ہے کہ علی بن زیادہ نے ناحیہ مقدسہ کی جانب

---

[1] اس روایت کو صدوق نے کتاب کمال الدین کے باب "وہ لوگ جنہوں نے امام زمانہ کی زیارت کی ہے" میں ابی الادیان سے نقل کیا ہے اور بحار کمپانی جلد ۱۲، صفحہ ۱۷۷، جلد ۱۳، صفحہ ۱۲۲ اور جلد ۵۲ صفحہ ۶۷ پر بھی مذکور ہے۔

ایک خط لکھا اور کفن کی درخواست کی۔ توقیع مبارک صادر ہوئی کہ ۲۷۰ھ میں تمہیں کفن کی ضرورت ہوگی۔ پھر اس کی موت سے چند روز قبل آپ نے اس کا کفن بھیج دیا۔ [۱]

(۲) کافی میں روایت ہے کہ محمد بن ہارون ہمدانی کہتا ہے میں ناحیۂ مقدسہ کا پانچ سو دینار کا مقروض تھا۔ جس کے لئے میں بہت پریشان تھا۔ میں نے ارادہ کیا کہ جو دو کانیں میں نے ۵۳۰ دینار میں خریدی تھیں انہیں اپنے قرض کے عوض ناحیۂ مقدسہ کے لئے وقف کر دوں میں نے ابھی اس بات کو کسی پر ظاہر نہیں کیا تھا کہ محمد بن جعفر اسدی کی طرف توقیع مقدس صادر ہوئی کہ دو کانوں کو محمد بن ہارون سے پانچ سو دینار میں خرید کر ان کو اپنے قبضہ میں لے لے۔ [۲]

(۳) کافی میں ایک روایت ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے: خلیفہ عباسی نے سنا کہ امام زمانہ علیہ السلام کے وکلاء ہی جو اموال جمع کرتے ہیں۔ اس نے ایک تدبیر نکالی کہ کچھ لوگوں کو رقم دی کہ وہ حضرت کے وکلاء کے پاس جائیں اور مالِ امام کے طور پر رقم انہیں دے دیں۔ اور جو قبول کرلے اسے گرفتار کرلائیں۔ فوراً آپ کی توقیع حقیقی وکلاء کے پاس پہنچ گئی کہ کوئی رقم وصول نہ کرے۔ انہوں نے اسی طرح کیا اور محفوظ رہے۔ [۳]

---

[۱] اس روایت کو مفید کی کتاب ارشاد و خرائج وغیبتِ طوسی وغیرہ میں بھی نقل کیا گیا ہے۔ بحار کمپانی جلد ۱۳، صفحہ ۸۲، ۸۴ پر بھی درج ہے اور صفحہ ۸۱ پر علی بن محمد کا نام بطور راوی لکھا ہے۔

[۲] یہ روایت کتاب ارشاد و خرائج میں بھی منقول ہے اور کمال الدین میں صدوق نے بھی اس کو نقل کیا ہے۔

[۳] بحار کمپانی جلد ۱۲، صفحہ ۸۲ و جلد ۱۵ صفحہ ۲۱۰ پر مذکور ہے۔

(۴) کافی میں نقل کیا گیا ہے کہ ناحیہ مقدسہ سے مقابر قریش وحائر یعنی کاظمین و کربلا کے لیے حکم آیا کہ کوئی زیارت کے لئے نہ جائے۔ چند ماہ بعد خلیفہ نے حکم دیا کہ جو کوئی زیارت کو جائے اُسے گرفتار کر لیا جائے۔[1]

(۵) حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کے ایک یا دو سال بعد احمد دینوری حج کے سفر سے دینور میں وارد ہوا۔ چونکہ شیعہ اس پر اعتماد رکھتے تھے۔ اس لئے سولہ ہزار دینار ان کے پاس جمع ہو گئے کہ دلیل قطعی کے ساتھ امام زمانہ علیہ السلام کی خدمت میں پہنچائے۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ اس مال کو دلیل و حجت کے بغیر کسی پر ظاہر نہ کرے۔ مال لے کر چلے اور کرمان شاہ پہنچے۔ وہاں بھی شیعوں نے ایک ہزار دینار اور مال کی کچھ تھیلیاں انہیں دیں اور کہا کہ بغیر تصدیق و دلیل یہ اموال کسی کے سپرد نہ کریں۔ یہ سب مال لے کر وہ بغداد کی جانب روانہ ہوئے۔ بعض لوگوں سے انہوں نے ملاقات کی لیکن ان کے پاس کوئی دلیل نہ پائی۔ حتیٰ کہ حضرت کے نائب خاص محمد بن عثمان بن سعید کے پاس پہنچے۔ محمد نے ان کی سامرہ میں بیت اقدس امام زمانہ علیہ السلام کی طرف رہنمائی کی۔ اب وہ سامرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور حضرت کے دولت کدہ پر وارد ہوئے۔ رات کو انہیں حضرت کے نامہ مبارک کی زیارت کا شرف حاصل ہو۔ اس خط میں رقم کی تشریح اور اموال کی نشانیاں حتیٰ کہ رقم کی تھیلیوں کے رنگ تک بتلائے گئے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی جو اللہ تعالیٰ کی حجت کی طرف رہنمائی کے لئے تھی۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ تمام لے کر بغداد چلے جائیں۔ اور محمد بن

---

[1] ارشاد اور غیبت طوسی سے یہ روایت نقل کی گئی۔

عثمان کی خدمت میں پہنچے تو شرحِ اموال کے ساتھ حضرت امامؑ کا خط پھر ملا اور محمد بن عثمان کو حکم ملا کہ یہ سب اموال محمد بن احمد بن جعفر قمی کو پہنچا دیئے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔[۱]

(۶) توقیع مبارک میں، جو صدوق کے پدر بزرگوار کے لئے صادر ہوئی، ارشاد ہُوا کہ بہت جلد دو فرزندانِ نیک تمہارے گھر پیدا ہوں گے پس شیخ صدوق اور ان کے بھائی حسین پیدا ہوئے۔ اور شیخ صدوق فخر کیا کرتے تھے کہ وہ امام زمانہ علیہ السلام کی دعا سے پیدا ہوئے۔[۲]

(۷) شیخ طوسی اپنی کتاب "غیبت" میں شیخ مفید اور حسین بن عبید اللہ غضائری کے واسطہ سے (جن کے ثقہ جلیل القدر ہونے پر اتفاق کیا گیا ہے) محمد بن احمد بن عبداللہ صفوانی سے (جن پر ثقہ، جلیل اور فقیہ کامل کے طور پر سب متفق ہیں) نقل کرتے ہیں۔ محمد بن احمد بن عبداللہ نے فرمایا: "میں نے قاسم بن علا کو، جو ناحیۂ مقدسہ کے وکیل تھے، دیکھا ان کی عمر ایک سو سترہ برس ہو چکی تھی۔ اسّی سال تک اُن کی آنکھیں بینا رہیں۔ وہ حضرات امام علی نقی اور امام حسن عسکری علیہما السلام کی خدمت میں رہ کر کامل استفادہ حاصل کر چکے تھے۔ اسّی سال کی عمر کے بعد نابینا ہو گئے۔ حضرت امام زمانہ علیہ السلام کی توقیعات ہمیشہ ان تک پہنچتی تھیں۔ اتفاق یہ ہوا کہ دو مہینہ تک حضرت کا کوئی خط انہیں نہ ملا۔

---

[۱] اس قصہ کی تفصیل کو جناب سید بن طاؤس نے نقل فرمایا چنانچہ بحار کمپانی جلد ۱۳، صفحہ ۹۷ پر بھی مذکور ہے۔ سید نظیر نے اس توقیع مبارک کو جو احمد بن حسن کے نام ناحیہ مقدسہ سے صادر ہوئی، نقل کیا ہے۔ چنانچہ بحار جلد ۱۳ صفحہ ۸۰ پر مذکور ہے۔

[۲] شیخ جلیل القدر نجاشی نے اپنی کتاب رجال میں اور دوسروں نے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔ نیز بحار کمپانی جلد ۱۳ صفحہ ۸۱ پر بھی نقل ہوئی ہے۔

بہت غمگین ہوئے۔ اچانک انہیں امام زمانہ علیہ السلام کے غلام کی آمد کی خوشخبری دی گئی۔ اس قدر خوش ہوئے کہ قبلہ کی طرف رُخ کر کے سجدۂ شکر بجالائے۔ اس غلام کی آمد ہو چکی تو غلام نے حضرت کا خط نکالا۔ قاسم نے اسے لے کر بوسہ دیا۔ اس میں لکھا تھا کہ خط پہنچنے کے چالیس دن بعد دنیا سے رخصت ہو جاؤ گے۔ حضرت نے اس کے کفن کے لئے سات کپڑے ارسال فرمائے تھے۔ قاسم نے پوچھا: "کیا موت کے وقت میرا دین سلامت ہو گا؟" جواب ملا: ہاں! سلامت ہو گا۔ قاسم ہنس پڑے اور بہت خوش ہوئے۔ قاسم کا ایک ملنے والا تھا جس کا نام عبدالرحمٰن تھا جو مخالفین سے تھا۔ قاسم چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ عبدالرحمٰن کو ہدایت فرمائے۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ عبدالرحمٰن کسی کام سے آگیا۔ قاسم نے کہا: یہ خط مجھے بہت عزیز ہے لیکن مجھے امید ہے کہ اس مبارک خط کی برکت سے اللہ عبدالرحمٰن کو ہدایت فرمائے گا۔ چنانچہ انہوں نے امام علیہ السلام کا خط عبدالرحمٰن کو پڑھنے کے لئے دیا عبدالرحمٰن نے جب خط پڑھا تو حضرت کی بات سے مطلع ہوا۔ جس کا تعلق قاسم کی موت سے تھا۔

عبدالرحمٰن نے خط پڑھ کر رکھ دیا اور کہا: اے قاسم! تو ایک باکمال و باعقل و دین دار آدمی ہے مگر تو نے قرآن (سورۂ لقمان) میں نہیں پڑھا کہ ارشاد ہوتا ہے وما تدری نفس ماذا تکسب غداً وما تدری نفس بای ارض تموت (یعنی کوئی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کرے گا اور نہ کوئی یہ جانتا ہے کہ وہ کہاں مرے گا)۔ نیز ارشاد ہوتا ہے عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احدا (یعنی اللہ عالم الغیب ہے اور وہ اور وہ اپنے غیب سے کسی کو مطلع نہیں کرتا)۔

قاسم یہ آیات سن کر ہنس پڑے اور فرمایا: تو باقی حصہ آیت کا کیوں

نہیں پڑھتا یعنی الا من ارتضی من رسول (یعنی سوائے اس کے کہ اپنے رسولوں میں سے کسی کو اس مقام کے لئے پسند فرمالے)۔ خدا کی قسم میرے مولا امام زمانہ علیہ السلام اس مقام کے لئے اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل سے ہیں۔ تو آج کی تاریخ کو اپنے پاس لکھ کر رکھ لے۔ اگر میں آج سے چالیس روز بعد زندہ ہُوا تو سمجھ لینا کہ میں حق پر نہیں ہوں۔ اور اگر میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو یہ تیرے لئے حجت ہو گی تو اپنی نجات کی فکر کرنا۔"

صفوانی کہتے ہیں: "سات دن بعد قاسم بیمار ہو گیا اور موت سے سات روز قبل اس کی آنکھیں بینا ہو گئیں۔ لوگ اسے ملنے کے لئے آنے لگے اور چالیسویں روز صبح کے وقت اس نے دنیا سے انتقال کیا۔ عبدالرحمٰن سر و پا برہنہ اس پہ روتا تھا اور اس نے ہدایت پائی۔ شیعہ کامل ہو گیا۔ چند دن کے بعد قاسم کے بیٹے حسن کے نام حضرت ولی عصر علیہ السلام کا تعزیت نامہ آیا۔"[1]

---

[1] اس حدیث کی تفصیل اور اس کی صحیح سند شیخ کی کتاب "غیبت" کے باب "توقیعات" صفحہ ۲۰۲ پر مذکور ہیں۔ عالم کامل قطب راوندی نے کتاب شریف "خرائج" میں اس کو شیخ مفیدؒ سے نقل کیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ امام زمانہ علیہ السلام کے خط کا مضمون یہ تھا۔ کہ اس خط کے ملنے کے چالیس روز بعد قاسم اس دنیا سے رخصت ہو جائے گا۔ خط ملنے کے سات دن بعد قاسم بیمار ہو گا۔ اور اپنی موت سے سات دن قبل بینا ہو جائے گا۔ اس کے بعد آخر تک ہے جیسا کہ مذکور ہے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ قاسم نے عبدالرحمٰن سے کہا: "آج کی تاریخ لکھ لے۔ اگر میں چالیس دن کے بعد زندہ رہا۔ چالیس روز سے پہلے دنیا سے چلا گیا تو سمجھنا کہ میں حق پر نہیں ہوں۔" آخر تک۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

امام زمانہ علیہ السلام اور دیگر تمام آئمہ علیہم السلام کے اخبار غیبی بہت زیادہ ہیں۔ اس مختصر کتاب میں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں لے

(بقیہ حاشیہ) بحار کمپانی کی جلد ۱۳، صفحہ ۸۳ پر شیخ طوسی کی کتاب "غیبت" اور سید بن طاؤس کی کتاب سے یہ واقع منقول ہوا ہے۔ ایک با انصاف شخص کے لئے یہی روایت جو نہایت درجہ صحیح و درست ہے، کافی ہے۔

لے جس کو زیادہ روایات کی ضرورت ہو وہ شیخ طوسی کی کتاب "غیبت" کی طرف رجوع کرے۔ اس کے باب "معجزاتِ امام زمانہ علیہ السلام اور باب "توقیعات حضرت" اور کتاب شریف "کافی" کے باب ہائے میلادِ پیغمبرؐ و امامان علیہم السلام تقریباً دو سو روایات درج ہیں۔ کتاب "بصائر" جلد ۵، صفحہ ۲۲۵۔۲۵۰ شیخ مفید کی "مناقب" و "ارشاد" اور راوندی کی "خرائج" کے باب "معجزاتِ پیغمبرؐ و امامان علیہم السلام" و بحار کمپانی جلد ۳ باب "اشراط ساعۃ" صفحہ ۱۷۵ پر اخبارات غیبی پیغمبرِ اسلام اور جلد ۶، باب "غزوۂ بدر"، و جلد ۸، صفحہ ۵۹۶ باب "ما اخبر بقتال الخوارج" (اخبارِ پیغمبرؐ بہ کفر خوارج و قتالِ آنہا) و جلد ۶ کے ابواب "معجزات" خصوصاً "باب اخبارات پیغمبرؐ بہ مغیبات، صفحہ ۳۲۲ و باب "اخباراتِ آنحضرتؐ بآنچہ بعد از او واقع میشود، صفحہ ۳۳۲ و ابواب "نصوص پیغمبرؐ بہر یک از امامان بر امام بعد تا امام زمانؑ"، بحار کمپانی جلد ۹، ۱۱، ۱۰، ۱۲، ۱۳ و جلد ۳ ۴۲۔۵۲ میں یہ واقعات مفصل مذکور ہیں۔

امیر المؤمنین علیہ السلام کے اخباراتِ غیبی کے لئے دیکھیں بحار کمپانی جلد ۹، صفحہ ۵۷۷، باب "اخباراتِ آنحضرت بغائبات۔ اخباراتِ غیبی حضرت امام حسن و امام حسین علیہما السلام کمپانی جلد ۱۰، صفحہ ۸۹، ۱۴۱ باب "معجزات" میں مذکور ہیں۔ دیگر آئمہ کی غیب گوئی کے لئے دیکھیں۔

امام زین العابدین علیہ السلام۔ بحار جلد ۱۱، صفحہ ۸۔۱۶۔ امام محمد باقر علیہ السلام، صفحہ ۷۰۔۹۸ امام جعفر صادق علیہ السلام صفحہ ۱۲۶۔۱۶۷۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

جو کچھ گذر چکا، اس سے ظاہر ہوگیا کہ آئمہ اثنا عشر اللہ کے اجازت اور لطیف پروردگار، تعلیم حق سبحانہ سے اپنے جد بزرگوار حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وساطت سے عالم غیب تھے۔ غیب سے مراد وہ امور مخفی ہیں جو احساسِ بشر جن کا ادراک نہیں کر سکتے زید زمانہ کے اعتبار سے آئندہ کے امور، علم اموات و رزق و تمام ماضی و مستقبل کے حالات ہوتے ہیں جس طرح سکے گذشتہ صفحات میں ذکر ہوا یا یہ واقعات مقام کے اعتبار سے ہوتے ہیں اور اپنے واقعہ ہونے سے قبل دوسروں کے ذہن سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اس علم کا مالک خود پروردگارِ عالم ہے جو بذاتِ مقدس خود عالم الغیب ہے اور پروردگار ہی کی استعانت سے پیغمبر و ائمہ صلوات اللہ علیہم اس علم سے واقف ہوتے ہیں۔ ان حضرات کو یہ علم عطا کرنے سے اللہ تعالیٰ اپنی سلطنت و مالکیت سے کسی طرح معزول نہیں ہوتا۔ یہ حضرات اس علم کے اتنے حصہ سے واقف ہوتے ہیں۔ جتنا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور جس کا علم ان کو دینا نہیں چاہتا اس کا علم انہیں نہیں ہوتا۔ چنانچہ کلام مجید میں ارشاد ہوتا ہے " و لا یحیطون بشیء من علمہ الا بما شاء " اس طرح اللہ تعالیٰ جس

(بقیہ حاشیہ) امام موسیٰ کاظم علیہ السلام، صفحہ ۲۳۹۔ امام رضا علیہ السلام، جلد ۱۲، صفحہ ۲۴، ۲۳، ۴۲، ۴۸۔ امام محمد تقی علیہ السلام، صفحہ ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۸، ۱۱۳۔ امام علی نقی علیہ السلام صفحہ ۱۲۸۔ امام حسن عسکری علیہ السلام صفحہ ۱۵۷۔ امام زمانہ علیہ السلام جلد ۱۳ صفحہ ۷۷، ۹۰۔ روایات کی شرح و تفصیل سفینۃ البحار اور مستدرک سفینہ، میں لغت غیب کے تحت مذکور ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق عطا فرمائی اور وسائل طبع ممکن ہوئے تو اس مخصوص ذکر سے متعلق الگ کتاب لکھوں گا۔ جس میں ایک ہزار سے زیادہ روایات ہوں گی۔ والحمد للہ کما ھو اھلہ

قدر چاہتا ہے اپنے اولیاء کو تعلیم فرما دیتا ہے۔ پھر جو کچھ اللہ چاہتا ہے۔ جس قدر بلطف فرماتا ہے بتفضل فرماتا ہے، ہماری عقلیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: "وکان فضل اللہ علیک عظیما"

کتاب شریف کافی میں صحیح سند کے ساتھ معمر ابن خلاد سے منقول ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے سوال کیا: "کیا آپ غیب کا علم جانتے ہیں؟"

امام علیہ السلام نے جواب میں اپنے جد بزرگوار امام محمد باقر علیہ السلام کا حوالہ دیا کہ انہوں نے فرمایا "ہم پر لطف فضل واقع ہوتا ہے۔ لہذا ہم جانتے ہیں اور اگر یہ سمجھا جائے کہ ہم نہیں جانتے تو جان لو کہ یہ پروردگار عالم کا راز ہے جو جبرئیل نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچایا اور انہوں نے ہر اس شخص کو اس سے آگاہ فرمایا جس کے لئے اللہ عزّ نے چاہا۔

تاہم سند مجہول سے ایسی روایات بھی نقل ہوئی ہیں کہ حضرت نے فرمایا "عجیب بات ہے کہ ایک جماعت یہ گمان کرتی ہے کہ ہم غیب جانتے ہیں۔ غیب کو کوئی نہیں جانتا سوائے پروردگار عالم کے۔ میں نے ارادہ کیا تھا کہ اپنی کنیز کو ماروں۔ وہ بھاگ گئی اور میں نہیں جانتا وہ کس گھر میں ہے۔"

یہ روایت جس کی سند مجہول ہے علامہ مجلسی اور دیگر حضرات کے مطابق آیاتِ مبارکہ اور روایاتِ متواتر کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اس کی تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ ممکن ہے کہ اس سے مراد قیامت کا علم ہو جس کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ چنانچہ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "علم غیب علم قیامت ہے جس کو پروردگار عالم کے

سوا کوئی اور نہیں جانتا۔

"یا پھر علم غیب سے مراد علم ذاتی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ علم ذاتی پروردگارِ عالم کے لئے مخصوص ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدس عین علم و قدرت ہے جب کہ مخلوقات کا علم ذاتی نہیں بلکہ لطف و احسان و تعلیم پروردگارِ عالم کا مرہونِ منت ہے۔" یا پھر حضرت نے تقیّہ کے لحاظ سے فرمایا، کیونکہ حضرت کی مجلس میں مخالفین یا ضعیف الاعتقاد شیعہ بھی ہوتے تھے۔ جن کو غلو اور مقام ربوبیت سے منع کرنا مقصود ہوتا تھا۔ ان کو سمجھاتے تھے" ہم بندے ہیں۔ بذات خود کوئی چیز نہیں رکھتے۔ سب کچھ خدا کی طرف سے ہے۔"

نیز یہ جو فرمایا کہ کنیز کس گھر میں ہے، ممکن ہے اس لئے ہو کہ حضرت نے اغماض فرمایا کہ ضعیف العقیدہ لوگ کہیں آپ کے کلام کو پروردگارِ عالم کا کلام نہ سمجھ لیں، یا یہ کہ آپ نے نہ چاہا ہو کہ لوگ ایسا سمجھ لیں، یا آپ کی مراد یہ ہو کہ ظاہری و عادی اسباب کی رو سے لوگوں کو وہ علم حاصل ہو جو وہ نہیں جانتے یا آپ تقیہ چاہتے ہوں تاکہ بات دشمن کے کان میں نہ پڑے۔ چنانچہ منصورِ دوانیقی نے ایک مرتبہ امام علیہ السلام سے سوال کیا، "لوگ کہتے ہیں آپ علم غیب رکھتے ہیں؟"

حضرت نے فرمایا "لا یعلم الغیب الا اللہ" (غیب سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی اپنی طرف سے اور بذات خود غیب کو کوئی نہیں جانتا سوائے خدا کے جو عین علم و قدرت ہے۔ ہمیشہ سے عالم ہے اور ہمیشہ عالم رہے گا اور اس کا علم قدیم و ازلی طور پر ذاتی ہے اور مخلوقِ حادث جو کچھ بھی رکھتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔"

ان معنی کی تائید کہ امام علیہ السلام اس حدیث کے سلسلہ میں دشمن

سے تقیہ فرما رہے تھے یا حضرت کو ضعیف شیعوں کا خیال تھا اس بات سے ہوتی ہے کہ آپ کی مجلس میں اکثریت بیرونی حضرات کی ہوتی تھی۔ چنانچہ امام علیہ السلام اچانک اپنے بیت الشرف سے باہر تشریف لائے اور کسی تمہید یا سوال کے بغیر بیٹھتے ہی یہ کلام ارشاد فرمایا۔ جب مجلس عمومی ختم ہو گئی اور منزلِ خصوصی شروع ہوئی تو سدیر اور ابو بصیر خلوت میں حاضرِ خدمت ہوئے۔ حضرت نے اپنے علم و کمال کے اثبات میں ایک بیان ارشاد فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ علم آصف (جو اسمِ اعظم کے صرف ایک حرف کا علم رکھتے تھے) جس سے انہوں نے ایک چشم زدن میں تختِ بلقیس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ اس کی نسبت علمِ آلِ محمدؐ سے ایسی ہی ہے جیسے ایک قطرہ کی دریائے بسیط سے نسبت ہو۔

اس تمام بحث کے لئے دوسرا شاہد عمار ساباطی کی روایت ہے۔ اس نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا: "کیا امام کے پاس علم غیب ہوتا ہے؟"

حضرت نے فرمایا: "نہیں جس وقت امام کسی چیز کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں تو خداوند عالم اس کے بارے میں ان کو علم عطا فرما دیتا ہے۔" دراصل امام وضاحت کرنا چاہتے تھے کہ ہمارا علم ہمارا ذاتی نہیں یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت اور احسان سے ہے۔

دوسرا شاہد ابو المغیرہ کی روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں "میں اور یحییٰ بن عبداللہ بن الحسن جناب ابو الحسن یعنی حضرت امام موسیٰ بن جعفر علیہما السلام کے پاس تھے۔ یحییٰ نے عرض کیا: "میں آپ پر قربان! لوگ خیال کرتے ہیں کہ آپ غیب جانتے ہیں۔"

حضرت نے فرمایا: "سبحان اللہ! اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھ۔" وہ

کہتا ہے کہ امام کے سر اور جسم کے بال متحرک ہوگئے۔ پھر حضرت نے فرمایا "لا واللہ ما هی الا وراثۃ عن رسول اللہ" یعنی خدا کی قسم ہم سوائے اس کے نہیں جانتے جو ہمیں ورثہ کے طور پر رسول اللہؐ سے ملا ہے۔"

پس یہ روایت بھی علم غیب کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وراثۃً ہی ائمہ اطہار تک پہنچا، ثابت کرتی ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے ذاتی طور پر عالم علم غیب ہونے کی نفی کرتی ہے چونکہ علم ذاتِ پروردگار کے لئے مخصوص ہے، تو اگر ہم فرض کر لیں کہ کوئی شخص ذاتی طور پر اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے بغیر عالم ہے، تو یہ شرک ہوگا اور اللہ تعالیٰ شرک سے منزّہ ہے۔ اسی وجہ سے امام نے فرمایا: "سبحان اللہ! یعنی خدا منزّہ ہے اور حضرت کے جسم کے بال متحرک ہوگئے کیونکہ آپ کو لوگوں نے علم پروردگار میں شریک قرار دیا۔ بالکل اللہ کی طرح جو اپنی ذات سے عالم ہے۔ ان لوگوں کا خیال باطل تھا کہ امام پروردگارِ عالم اور رسول اللہ کی جانب سے تعلیم حاصل کئے بغیر عالم ہوتا ہے۔ یہ خیال ہی شرک ہے۔ کوئی مخلوق کسی جہت میں بھی خالقِ کائنات سے مستغنی نہیں اور نہ کبھی ہوگی۔ بلکہ مخلوق کے تمام کمالات وعلم خالقِ کائنات کا عطیہ ہیں۔

اسی سے امیر المومنین علیہ السلام کا کلام سمجھ میں آجاتا ہے جیسا کہ نہج البلاغہ میں مذکور ہے کہ جب حضرت نے آئندہ کے واقعات کی خبر دی تو ایک شخص بولا کہ یہ علم غیب ہے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا: "لیس ھو بعلم غیب وانما ھو تعلم من ذی علم وانما علم الغیب علم الساعۃ۔ یعنی میں جو کچھ بتلا رہا ہوں وہ علم غیب نہیں بلکہ یہ صاحب علم سے حاصل کردہ اور یاد کیا ہوا ہے۔ علم غیب تو علم قیامت ہے۔۔۔"

حضرت کے اس کلام سے خوب واضح ہوگیا کہ جس امر کا حضرت نے

انکار فرمایا وہ دو چیزوں پر مشتمل ہے۔ ایک علم قیامت ہے۔ جس کو خدا کے علاوہ کوئی شخص نہیں جانتا۔ اور دوسرا وہ علم جو صاحب علم کی تعلیم کے بغیر ہو (یعنی ذاتی علم جو کسی سے حاصل نہ کیا ہو) اس علم سے بھی حضرت نے انکار کیا۔ اس کے برعکس جس علم کو ثابت کیا گیا ہے وہ وہ ہے جو صاحب علم (پروردگار عالم اور اس کے رسولؐ) سے حاصل کیا اور یاد کیا گیا ہو۔ اسی علم کے ثبوت میں سابق میں آیات مبارکہ اور روایات متواترہ پیش کی گئیں۔

اس کے علاوہ سورہ انعام میں ارشاد ہوتا ہے: "قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی ملک ان اتبع الا ما یوحی الی" یعنی ان سے کہہ دیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ اللہ کے خزانے میرے پاس ہیں، نہ ہی میں غیب جانتا ہوں، نہ ہی یہ کہتا ہوں کہ میں ملک ہوں، میں کسی کی پیروی نہیں کرتا سوائے اس کے جو مجھ پر وحی ہوتی ہے۔"

ممکن ہے "میں غیب نہیں جانتا" کا جملہ کلام سابقہ کا تتمہ ہو یعنی جونکہ میں یہ نہیں کہتا کہ خزانے میرے پاس ہیں اسی طرح میں نہیں کہتا کہ میں غیب جانتا ہوں۔ کیونکہ نہ کہنا نہ جاننے کی دلیل نہیں ہوتا۔ لہذا بات واضح ہو گئی یا یہ کہ حضرت کی اس سے مراد یہ ہے کہ میں وہ علم غیب جو خداوند تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے (یعنی وقت قیامت) نہیں جانتا۔ نیز جو سب کچھ جانتا ہوں وہ خود میری طرف سے نہیں بلکہ بسبب وحی اور پروردگار عالمین کی تعلیم کے ذریعہ ہے۔

اب اس آیہ کریمہ کو دیکھئے۔ ارشاد ہے: وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو" (یعنی مفاتح غیب اللہ کے پاس ہیں۔ ان کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا) اس کا مطلب یہ ہے کہ مفاتح غیب صرف اللہ تعالیٰ

ہی کے پاس ہیں جو بذاتِ پاک خود ہی ان کو جانتا ہے۔ کوئی اور شخص ان کو اللہ تعالیٰ کی طرح (یعنی بذاتِ خود) ہرگز نہیں جانتا سوائے تعلیم پروردگار عالم کے ذریعہ کہ جس کو چاہتا ہے مرحمت فرماتا ہے۔ اسی طرح آیۂ شریفہ "انما الغیب للہ" (ایسا ہی ہے اور اس کے سوا ہرگز نہیں کہ غیب صرف اللہ کے لئے ہے) اس آیہ مبارکہ کی مانند ہے "وللہ غیب السمٰوٰت والارض" (یعنی غیبِ آسمان و زمین صرف اللہ کے لئے ہے)۔

ثابت ہوا کہ غیب صرف ذاتِ پروردگار عالم کے لئے ہے۔ اس میں دو معنی ممکن ہیں۔ یعنی ایک وہ علمِ غیب جو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے دوسرے یہ کہ کائناتِ غیب (یعنی وہ سب کچھ جو مخفی ہے) خدا کی ملک ہے، جیسا کہ ارشاد ہوا۔ "وللہ ملک السمٰوٰت والارض (یعنی آسمان و زمان کی ملکیت صرف اللہ کے لئے ہے) لہذا اگر پہلے معنی لئے جائیں، تو کہنا چاہیئے کہ کوئی شخص سوائے اللہ کے غیب نہیں جانتا مگر وہ لوگ جن کو پروردگار عالم تعلیم فرماتا ہے۔

اسی طرح یہ آیہ مبارکہ ہے "قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الا اللہ وما یشعرون ایان یبعثون سورہ نمل / ۶۵ یعنی کہہ دیجئے کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین پر ہیں جو غیب نہیں جانتے سوائے پروردگار عالم کے اور یہ نہیں سمجھ سکتے کہ وہ کب مبعوث و زندہ ہوں گے"۔

لہذا معلوم ہوا کہ غیب سے مراد قیامت ہے اور آیت کا آخری حصہ اس بات کی توضیح و تاکید کرتا ہے یا یہ سمجھیں کہ کوئی اپنے مقام پر بذاتِ خود عالمِ غیب نہیں سوائے اس کے جس کو اللہ تعالےٰ تعلیم فرمائے۔

بہر حال ایسا نہ ہونا چاہیئے کہ انسان کے دل میں مرض واقع ہو جائے۔ ان آیات پر اسے ایمان ہونا چاہیئے نہیں تو کافر ہوگا۔

آیہ مبارکہ "وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء" (یعنی خدا تمہیں غیب سے آگاہ نہیں کرتا مگر رسولوں میں سے جس کو وہ چاہے اس مقام کے لئے انتخاب کرے اور اختیار فرمائے) اسی طرح آیہ مبارکہ "عالم الغیب فلا یظھر علیٰ غیبہ احداً من ارتضیٰ من رسول (یعنی اللہ عالم غیب ہے، کسی کو اپنے غیب سے مطلع نہیں کرتا سوائے اس کے جس کو وہ اس مقام بلند کے لئے پسند فرمائے) پر غور کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ وہ پورے قرآن پر ایمان رکھے اور قرآن و عترت کے ساتھ متمسک رہے۔ اس کو چاہیئے کہ آیات کی تفسیر کے لئے عترت کی طرف رجوع کرے اور اُس ہستی کی طرف متوجہ ہو جو علم کتاب رکھتی ہو۔ لہٰذا کلام امیر المومنین علیہ السلام سے استفادہ کرنا چاہیئے۔ جنھوں نے اس علم غیب سے جس کا ذکر مندرجہ بالا آیات میں ہے اور روایات میں مذکور ہوا۔ نفی فرمائی ہے۔ ان میں ایک تو علم قیامت ہے اور دوسرا علم ذاتی جو صاحب علم (یعنی خدا و پیغمبرؐ) سے تعلیم حاصل کرنے اور اسے ذہن نشین کرنے کے بغیر ہو۔ یہ دو منفی ہیں۔ لیکن وُہ علم جو خدا اور پیغمبرؐ کی جانب سے ہو اور اُن کی تعلیم سے حاصل ہُوا ہو یا اللہ تعالیٰ کی جانب سے تفویض ہُوا ہو، اس کی یہ نفی نہ ہوئی ہے اور نہ کبھی ہوگی۔

بحار کے باب "تزویج امام جواد علیہ السلام بہ ام الفضل" میں اس حدیث کے ضمن میں کہ مامون الرشید کی بہن نے امام سے عرض کیا کہ کیا آپ غیب جانتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں تعلیم پروردگارِ عالم سے جانتا ہوں ہے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ روایت علم ذاتی کی نفی کرتی ہے اور اس علم کو ثابت کرتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی تعلیم و عنایت سے ہو اس سے سابقہ بحث کا ثبوت ظاہر ہوتا ہے۔

سورہ لقمان میں ارشاد ہوتا ہے "ان اللہ عندہ علم الساعۃ و ینزل الغیث ویعلم مافی الارحام وماتدری نفس ماذا تکسب غدا وماتدری نفس بای ارض تموت ان اللہ علیم خبیر۔" (یقیناً اللہ تعالیٰ کے پاس ہی علم ساعت یعنی وقتِ قیامت کا علم ہے۔ وہ بارش نازل فرماتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ رحموں کے اندر ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا اور کہاں اس کی موت واقع ہوگی۔ یقیناً خدا عالم و باخبر ہے ہر چیز سے)۔

اس آیہ مبارکہ کے پہلے دو جملے واضح ہیں جن میں کسی کلام کی گنجائش نہیں۔ البتہ تیسرا جملہ "یعلم مافی الارحام" یعنی اللہ ہی جانتا ہے جو کچھ ارحام میں ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کا عالم الغیب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن اس جملہ سے اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ کوئی اور شخص پروردگارِ عالم کی طرف سے تعلیم ہوتے ہوئے یہ بات نہ جانتا ہو۔

اب رہا چوتھا جملہ کہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا یعنی کوئی شخص اپنی طرف اور اپنی ذات سے یہ نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا۔ اسی طرح پانچواں جملہ کہ انسان اپنے مقام پر بذاتِ خود یہ نہیں جانتا کہ اس کی موت کہاں ہوگی۔ سوائے اس ہستی کے جس کو خداوندِ عالم تعلیم فرمائے اور جو کچھ چاہے عطا فرمائے۔ یہ حضرات بذریعہ تعلیم از پروردگارِ عالم جانتے ہیں کہ کل کیا ہوگا اور کوئی کس مقام پر موت سے ہم کنار ہوگا۔ اس آیۂ مبارکہ میں نفس سے مراد طبع انسانی ہے۔ یہ وہی نفس ہے جس کی اللہ تعالیٰ قرآن میں نفسِ لوامہ و امارہ یا لمسولہ کے الفاظ سے تعریف کرتا ہے۔ اس سے نفوسِ قدسیہ ملکوتیہ مراد نہیں جو پروردگارِ عالم کے موردِ عنایات والطاف ہائے بزرگ ہیں۔

اسی سے اس آیہ مبارکہ کی تفسیر واضح ہو جاتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

"قل لا املک لنفسی نفعاً ولا ضراً الا ماشاء اللہ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء۔ یعنی کہہ دیجئے، میں اپنے نفع و ضرر کا خود مالک نہیں ہوں سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ مجھے عطا فرمائے (یعنی کوئی چیز میرے اختیار میں نہیں سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ میرے اختیار میں شامل کرے جیسا کہ آیہ مبارکہ لا علم لنا الا ما علمتنا یعنی ہم علم و دانش نہیں رکھتے سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں تعلیم فرمائے)۔

یہ آیت تمام دیگر آیات و روایات کے مخالف نہیں۔ ممکن ہے اس میں افرادِ رعیت مراد ہوں اور ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مراد نہ ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ہم یوں کہیں کہ جیسے آیت کی ابتدا میں استثنار ہے آیت کے آخر میں بھی استثنائے محذوف ہو جس طرح شیخ طبرسی اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ آیت کے آخر میں بھی ایک استثنار محذوف ہے یعنی میں (رسول) خود مالک نفع و ضرر نہیں سوائے اس کے جو خدا چاہے۔ نیز میں (رسول) عالمِ غیب نہیں سوائے اس کے جو خداوند متعال چاہے اور مجھے تعلیم فرمائے۔ چونکہ اس سے پہلی آیت کا تعلق وقتِ قیامت کے سوال سے ہے اس لئے جواب میں فرمایا کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

اس آیت کے بارے میں بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اگر میں اس غیب (وقتِ قیامت) کے بارے میں جانتا ہوتا تو میں نیکی زیادہ کرتا یعنی میں سب کچھ جانتا ہوتا تو پھر کسی طرح کی کوئی برائی مجھ تک نہ پہنچتی۔

گیارہویں فصل

آئمہ معصومین علیہم السلام کی قدرت و تصرفات کے بیان میں

عبد الصمد بن بشیر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم میں تہتّر حروف ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے وصی آصف برخیا کو صرف ایک حرف کا علم تھا جس کے وسیلہ سے اس نے زمین کو پھاڑ کر تخت بلقیس کو (جو علامہ مجلسی کے فرمان کے مطابق دو ماہ کی مسافت کے فاصلہ پر تھا) پلک جھپکنے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے حضور حاضر کر دیا اور زمین فوراً پہلے کی طرح ہو گئی۔ یہ سب ایک مرتبہ پلک جھپکنے سے کم عرصہ میں ہو گیا۔" پھر فرمایا "ہمارے علم میں بہتر حروف ہیں اور ایک حرف اللہ تعالیٰ کے پاس مخزون و مخفی ہے۔ جس کو کوئی نہیں جانتا۔"[1]

---

[1] اس روایت کو بصائر جلد ۴ باب ۱۳ میں معتبر و صحیح سند کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ اسی طرح کی ایک روایت اسی باب میں دو اسناد کے ساتھ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے۔ کافی میں اس باب میں کہ اسم اعظم آئمہ ہدیٰ کو دیا گیا، ایک اور سند کے ساتھ منقول ہے۔ کافی کے اس باب میں اس مطلب کو علی بن محمد نوفلی کے ذریعہ امام ہادی علیہ السلام سے نقل کیا گیا ہے۔ شیخ مفیدؒ نے سلمان فارسی کے ذریعہ امیر المومنین علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا: اے سلمان یہ کیسے ہوا کہ آصف نے تخت بلقیس کو فارس سے ایک پلک جھپکنے کے عرصہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے حضور حاضر کر دیا۔ یہ اس (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا "عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام صرف دو حرف اسم اعظم سے جانتے تھے۔ ان کے تمام عملیات ان دو حرف کی وجہ سے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کے پاس چار حروف، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس چھ حروف، آدم علیہ السلام کے پاس پچیس حروف اور حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آٹھ حروف تھے۔ یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جمع تھے۔ حضرت سے صرف ایک مخفی تھا [۱]

ان روایات سے واضح ہوتا ہے کہ آئمہ ہدیٰ علیہم السلام پیغمبروں کے تمام معجزات پر قادر تھے۔ وہ اللہ تعالےٰ کی اجازت سے مردوں کو زندہ کر سکتے تھے۔ مادر زاد نابینا اور مبروص کا علاج فرماتے تھے اور دنیا میں جہاں سے جو چاہیں منگوا سکتے تھے۔ مثلاً حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے کوفہ میں اپنا دست مبارک بڑھایا اور شام کے پہاڑ سے برف حاصل

(بقیہ حاشیہ) لئے کہ وہ کتاب کا کچھ علم رکھتا تھا۔ تو کیسے ممکن ہے کہ میں جو ہزار کتابوں کا علم رکھتا ہوں اس جیسا کام نہ کر سکوں۔ میں بھی یہ کر سکتا ہوں!"

[۱] اس روایت کو بصائر جلد ۴، باب ۱۲ میں سند صحیح کے ساتھ عبدالصمد بن بشیر اور دوسری معتبر بلکہ صحیح سند سے عبدالصمد سے نقل کیا گیا ہے۔ کافی میں ایک اور سند سے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس معنی میں منقول ہے۔ صرف ان حروف کے اعداد کی خبر دی فرق ہے۔ جو حضرت ابراہیم و نوح سے متعلق ہیں۔ بصائر میں اسی موضوع پر نو روایات منقول ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک روایت میں یہ ہے کہ ان دو حروف کی مدد سے حضرت عیسیٰؑ مردوں کو زندہ اور نابینا و برص کا علاج کرتے تھے۔ ہم نے سفینۃ مستدرک جلد ۱ میں "الصف" کی لغت کے تحت اور جلد ۲ میں "حرف" کی لغت کے تحت ان کی تشریح کی ہے۔

کی۔ یا معاویہ کو تخت سے زمین پر گرا کر اور اس کے ڈاڑھی کے بال اکھاڑ لئے۔ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح مٹی سے پرندہ بنا کر اس میں پھونک مارتے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ اڑ جاتا۔ اسی طرح حضرت امام علی نقی ہادی علیہ السلام نے ایک مادر زاد نابینا کو بینا کر دیا۔ نیز آپ نے مٹی سے ایک پرندہ کی صورت بنائی۔ اس میں پھونک ماری اور وہ اُڑ گیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے چند روایات میں منقول ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام کے سامنے دنیا نصف اخروٹ کی مانند ہے اور دنیا کی کوئی چیز امام سے مخفی نہیں اور وہ دنیا کی تمام اطراف سے جو بھی چاہے منگوا سکتا ہے۔[1]

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اگر دو حروف اسم اعظم کی مدد سے گہوارہ میں کلام کر سکتے تھے۔ تو امام حسین علیہ السلام نے شکم مادر میں جناب سیدہ زہرا علیہا السلام سے کلام کیا اور انہیں اپنی شہادت کی خبر دی۔ بالکل اسی طرح آپ کی والدہ گرامی حضرت سیدہ طاہرہ علیہا السلام اپنی والدہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کی انیس تھیں، اور ان سے باتیں کرتی تھیں۔ بعینہٖ اسی طرح حضرت ولی عصر صلوات اللہ

---

[1] اس روایت کو شیخ مفید نے کتاب اختصاص صفحہ ۲۱۷ پر نقل فرمایا ہے دو اور روایات میں وارد ہے کہ یہ حدیث حضرت امام رضا علیہ السلام کے سامنے پیش کی گئی حضرت نے فرمایا: "خدا کی قسم یہ حق ہے"۔ بحار جلد ۱، باب "فضل کتابۃ حدیث" میں دو روایات انہی معنی میں کتاب بصائر سے نقل ہوئی ہیں۔ بصائر میں بھی جلد ۹، باب ۱۴ میں یہ روایات منقول ہوئی ہیں۔

علیہ و آبائہ نے جو اپنی پھوپھی حضرت حکیمہ خاتون کے ہم آہنگ تھے سورۂ قدر کی آیات کی قرأت فرمائی۔ اسی طرح حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی اپنے باپ اور ماں کو سلام کیا اور جب آپ کی نظر مبارک حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر پڑی تو خندہ فرمایا اور قرآن کو پڑھنا شروع کیا جو ہنوز آنحضرتؐ پر نازل بھی نہ ہوا تھا۔ آپ نے پڑھا: "قد افلح المومنون۔" یہی نہیں بلکہ تمام آئمہ پیدا ہوتے ہی ذاتِ باری تعالیٰ کے حضور سجدہ کرتے تھے اور وحدانیت و رسالت کی شہادت دیتے تھے۔ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے گہوارہ سے یعقوب کے سلام کا جواب دیا اور اس سے فرمایا کہ جس بچہ کا تو نے کل حمیرا نام رکھا ہے اس کا نام بدل دے کیونکہ اللہ تعالےٰ اس نام کو دوست نہیں رکھتا، جیسا کہ سابق میں عرض کیا گیا۔ اسی طرح اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مٹی سے پرندہ بنا کر اس میں پھونک مارتے اور وہ اڑ جاتا تو امام ہادی علیہ السلام نے بھی ایسا ہی کیا۔ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ہارون کی محفل میں، حضرت امام رضا علیہ السلام نے مامون کی مجلس میں اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے مجلس متوکل میں اس شیر کو جس کی تصویر پردہ پر بنی ہوئی تھی، حکم دیا تو وہ شیر درندہ میں تبدیل ہو گئے۔ اور خدا و رسولؐ کے دشمنوں کو کھا گئے اور انہیں ختم کر دیا اور پھر حکمِ امام سے اپنی اصل صورت پر پلٹ گئے [۱]

اسی طرح ایک چابی امام علیہ السلام کے ارادہ سے شیر درندہ بن گئی حضرت نے راوی سے فرمایا کہ اس کو پکڑ لے اور نہ ڈرے۔ جب اس نے اسے پکڑا تو وہ اپنی صورتِ اوّل پر آ گیا [۲]

---

[۱] و [۲] مستدرک سفینہ میں لغت "اسد" میں ان مواقع کے معتبر اسناد کا ذکر کیا ہے۔

علیٰ ہذا القیاس اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام انہی دو حرف اسم اعظم کی مدد سے غیب کی خبریں بتا دیتے تھے جیسا کہ قرآن میں سورۂ آلِ عمران آیت ۴۹ میں ہے کہ وہ لوگوں کو بتا دیتے تھے کہ انہوں نے اپنے گھر میں کیا کھایا ہے اور کس چیز کا ذخیرہ کیا ہے تو ہمارے پیغمبرؐ اور آئمہ علیہم السلام بھی تمام چیزوں کی خبر دے دیتے تھے۔

اگر حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اسم اعظم کے دو حروف سے مردوں کو زندہ کر دیتے تھے جیسا کہ قرآنِ کریم سے واضح ہے تو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بہت سے مواقع پر مردوں کو زندہ کیا اور ان سے کلام فرمایا۔ علامہ مجلسی نے بہت سے ایسے مواقع ایک اور باب میں علیحدہ جمع کیے ہیں۔[۱]

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمیع علوم کے وارث ہیں بہت سے مواقع پر مردوں کو زندہ کر چکے ہیں اس سلسلہ میں میثم تمارؓ جو صاحب اسرار شرف ہیں، نقل کرتے ہیں، کہ ایک روز ہم بہت سے اصحاب کے ساتھ جناب مولی الموحدین امام المتقین امیرالمومنین علیہ السلام کی خدمت میں مسجد جامع کوفہ میں حاضر تھے۔ امام عالی مقام ماہ تمام کی طرح درخشاں ہم سب کے درمیان تشریف رکھتے تھے۔ ایک شخص، زرد عمامہ سر پہ باندھے، شمشیر حمائل کئے ہوئے بغیر سلام وکلام آکر زمین پر بیٹھ گیا۔ سب لوگوں نے اس کی طرف اپنی گردنیں اٹھائیں اور اس کی طرف دیکھا کہ وہ کیا کہتا سنتا ہے۔ امیرالمومنین علیہ

---

[۱] بحار کمپانی جلد ۶ صفحہ ۲۹۷-۳۰۲، ۲۵۸، ۲۷۶ اور جلد ۹ صفحہ ۱۸۴-۱۸۵، اور طبع جدید جلد ۱۰ صفحہ ۳۰۴، جلد ۱۷ صفحہ ۲۶۱، ۳۳۳، جلد ۱۸ صفحہ ۱، ۶، ۷، ۱۹، ۲۰، ۱۶، جلد ۴۷ صفحہ ۵۴-۵۶ اور مستدرک سفینۃ البحار لغت ادب دم میں ان کی شرح کی ہے۔

السلام نے اس کی طرف بالکل نہ دیکھا۔ جب لوگ سکون سے بیٹھ گئے تو اس شخص کی زبان ایک شمشیرِ برّاں کی طرح رواں ہوئی اور اس نے پوچھا: "تم میں کون شخص علم و کمال و شجاعت و بزرگی میں برگزیدۂ پروردگار ہے۔ تم میں وہ کون ہے جو مولودِ حرم، خلق میں عالی مرتبہ اور موصوف بہ کرم ہے۔"

اس نے یہاں تک کہا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور فرمایا: "اے ابو سعد بن فضل بن ربیع تجھے کیا ہوا ہے؟ مجھ سے جو چاہے سوال کر میں علمِ نبوت و رسالت کا مخزن ہوں۔"

اس نے عرض کیا: "ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی، آنحضرتؐ کے خلیفہ اور مشکلات کو حل کرنے والے ہیں۔ میں ساٹھ ہزار جماعت کی طرف سے آیا ہوں اور اپنے ساتھ ایک مُردہ لایا ہوں۔ اس کی موت کے سبب میں اختلاف ہے۔ اگر آپ اُسے زندہ کر دیں تو آپ کی حقانیت ہم پر ثابت ہو جائے گی۔"

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: "اے میثم! گھوڑے پر سوار ہو کر کوفہ کے ہر طرف اور تمام راستوں پر اعلان کر دو اور لوگوں کو دعوت دو کہ جو کوئی آثارِ علمِ نبوت و امامت مشاہدہ کرنا چاہے وہ باہر نکل کر صحرائے نجف کی طرف آ جائے۔"

بہت بڑی جمعیت اکٹھی ہو گئی۔ حضرت نے فرمایا: "اس عرب کو مُردہ کے ساتھ حاضر کرو۔" ایسا ہی کیا گیا۔ حضرت نے فرمایا: "لوگو! اچھی طرح دیکھ لو اور دوسروں تک یہ بات پہنچا دینا۔"

پھر تابوت کو حضرت کے سامنے کھولا گیا اور میت کو باہر نکالا گیا۔ حضرت سے عرض کیا: "اس شخص کو دنیا چھوڑے ہوئے اکتالیس (۴۱) روز گزر چکے ہیں۔ رات اسکے شروع میں صحیح تھا۔ صبح کو لوگوں نے اسے

اس کے بستر پر قتل شدہ پایا۔ پچاس آدمیوں پر اس کے قتل کا الزام ہے"
حضرت نے فرمایا: "اس کے چچا نے اس کو قتل کیا ہے"۔ پھر سبب قتل بھی بیان فرمایا۔

لوگوں نے کہا: "یا امیرالمومنین! اس کو زندہ کر دیں تاکہ یہ خود بیان کرے اور آپس کا فتنہ و فساد ختم ہو جائے"

پس امیرالمومنین علیہ السلام نے قیام فرمایا، حمد و ثنائے خداوند تعالےٰ بجا لائے، اللہ کے رسولؐ پر درود بھیجا اور فرمایا: "اے اہل کوفہ! بنی اسرائیل کے قصہ کی طرف اشارہ ہے جو قرآن میں سورہ بقرہ میں بیان ہوا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم سے گائے کو ذبح کیا گیا۔ اور اس کے جسم کے ایک ٹکڑے سے اس میت کو چھوا گیا تو وہ زندہ ہو گیا) اللہ تعالےٰ کے نزدیک مجھ سے بہتر و عزیز تر نہیں جب کہ میں تو پیغمبرؐ کا بھائی ہوں" پھر اپنی ٹھوکر اس مردہ کو ماری اور فرمایا: "اے مردہ! اللہ کے حکم سے اٹھ جا"

میثم کہتے ہیں: "وہ مُردہ زندہ ہو گیا اور اس نے عرض کیا: لبیک! لبیک! اے حجتِ پروردگار!

حضرت نے فرمایا: "بتا تجھے کس نے قتل کیا؟"

اس مردہ نے عرض کیا: "میرے چچا حارث بن غسان نے"

امام نے فرمایا: "اپنے قبیلہ میں جا کر اس قصہ کی تشریح کر"

اس نے عرض کیا: "میں ڈرتا ہوں کہ مجھے دوبارہ مار ڈالیں گے۔ خدا کی قسم میں اس وقت تک آپ سے جُدا نہ ہوں گا جب تک مجھے موت نہ آ جائے۔ پس وہ حضرت کی خدمت میں رہا اور جنگ صفین میں شہید ہُوا[1]

---

[1] اس اجمال کی تشریح بحار کمپانی جلد ۹ صفحہ ۹۰۴ پر کتاب (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

حقیر کہتا ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام کا فرمانا کہ "بنی اسرائیل کی گائے مجھ سے بہتر و عزیز تر تھی" یہ تشبیہ شاید ضعیف الاعتقاد شیعوں کے شکوک

(بقیہ حاشیہ) روضہ در فضائل اور کتاب فضائل سے عالم جلیل، فقیہ ثقہ نبیل شاذان بن جبرئیل قمی سے نقل کی گئی ہے۔ بحار طبع جدید جلد ۴ صفحہ ۲۷۵ پر بھی ہے۔ اس طرف رجوع فرمائیں۔

امیرالمومنین علیہ السلام کے ایک مردہ کو زندہ کرنے کا قصہ، جو دفن ہو چکا تھا۔ بحار جلد ۳۵ صفحہ ۳۱۴ پر مذکور ہے۔

علامہ مجلسیؒ نے ایسے بہت سے واقعات بحار کمپانی جلد ۹ صفحہ ۵۵۴-۵۶۴ جلد ۱ صفحہ ۱۹۱ پر ذکر کئے ہیں۔ بحار کمپانی جلد ۷ صفحہ ۳۶۴ کے باب بعنوان "آئمہ علیہم السلام مردوں کو زندہ کرنے اور مادر زاد اندھے اور مبروص کو درست کرنے اور پیغمبروں کے تمام معجزات پر قادر تھے" میں ایسی بہت سی روایات نقل ہوئی ہیں درج ذیل واقعات بھی ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ایک زن مومنہ کو حضرت سیدالشہداء علیہ السلام نے زندہ کیا جس نے وصیت نہ کی تھی۔ بحار کمپانی جلد ۱۰ صفحہ ۱۴۶۔

(ب) بلخ کی ایک عورت کا امام زین العابدینؑ سے زندہ ہونا۔ جلد ۱۱ صفحہ ۱۵۔

(ج) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا ایک مُردہ گدھے کو زندہ کرنا جلد ۱۱ صفحہ ۷۴

(د) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک فوت شدہ عورت کو زندہ کرنا اور ایسے ہی واقعات۔ جلد ۱۱، صفحہ ۱۲۶ - ۱۴۴۔

(ہ) حضرت امام موسٰی کاظم علیہ السلام کا ایک مُردہ گائے کو زندہ کرنا۔ جلد ۱۱، صفحہ ۱۳۷ و ۲۴۷۔

(و) حضرت امام موسٰی کاظم علیہ السلام کا ایک مُردہ گدھے کو زندہ کرنا جلد ۱۱ صفحہ ۲۵۲

(ز) حضرت امام علی نقی علیہ السلام کا ایسا ہی واقعہ۔ جلد ۱۲ صفحہ ۱۴۲۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

کو رفع کرنے کے لئے ہو۔ یہ اس لئے کہا گیا کہ چونکہ قرآن میں واضح طور پر یہ قصہ بیان ہوا ہے کہ بنی اسرائیل کی گائے کی دم کو اس مردہ پر مارا گیا تو وہ زندہ ہو گیا۔ لہٰذا یہ کہنا بے معنی ہوگا کہ اعضائے بدن امام اس گائے سے درجہ میں کم تھے۔ یہی تشبیہ دیگر آئمہ علیہم السلام سے بھی مردوں کو زندہ کرتے وقت صادر ہوئی ہے۔ جاننا چاہیئے کہ حضرت کے حکم سے پردہ پر شیر کی تصویر کا زندہ ہو کر دشمن کو اس طرح پھاڑ کر کھانا کہ اس کا ایک ذرہ بھی باقی نہ رہے اور پھر اپنی اصلی صورت پر آجانا، یہ کسی مردہ حیوان کو زندہ کرنے کی نسبت بہت بڑی بات ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے پیغمبر اسلامؐ اور آئمہ علیہم السلام کو یہ قدرت و قوت عطا فرمائی کہ وہ جو بھی چاہیں، اس پر قادر ہیں اور کوئی چیز ان کی آنکھوں سے اوجھل نہیں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ پیغمبرؐ و امام اس قدرت و طاقت کے باوجود مظلوم کیوں واقع ہوئے تو اس کے جواب میں میں یہ کہتا ہوں کہ دفع ظلم کا واجب ہونا اور تمام احکام و واجبات جو تمام مسلمانوں اور مومنین کے

(بقیہ حاشیہ) سید ابن طاؤس نے کتاب نجوم میں مفید شامی سے نقل کیا ہے کہ اس نے امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا "آپ کے کردار کے عجائبات میں بہت باتیں کی جاتی ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو مجھے بھی کوئی چیز دکھائیں۔" حضرت نے فرمایا: "کیا چاہتے ہو۔" عرض کیا: "میرے باپ اور ماں کو زندہ کر دیں۔" حضرت نے فرمایا: اپنے گھر پلٹ جا کہ میں نے دونوں کو زندہ کر دیا ہے۔" راوی کہتا ہے میں واپس آیا اور دونوں کو زندہ پایا۔ وہ دس دن زندہ رہے اور پھر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ہم نے پیغمبروں اور آئمہ کے مُردوں کو زندہ کرنے کے تمام واقعات اپنی کتاب "مستدرک سفینہ" میں لفظ حیّ کی لغت کے تحت درج کئے ہیں۔

پیشواؤں پر واجب ہیں وہ سب بشری قوتِ عادی سے مشروط ہیں یہ وہی قوت ہے جس کے مطابق عوام سے تکلیفِ شرعی کی شرط ہے یہی شرطِ تکلیف پیغمبرؐ و آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کے لئے بھی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ وہ تکالیف جن میں پیغمبرؐ اور آئمہ ہدیٰ عوام الناس کے ساتھ شریک ہیں وہ اُس وقتِ عادیٔ بشری سے مشروط ہیں جو اسبابِ ظاہری سے حاصل ہوتی ہے۔ پس اگر بشری قوتِ عادی کسی واجب امر کے انجام دینے کے قابل نہ ہو تو وہ واجب ساقط ہو جاتا ہے۔ امام بھی تکالیفِ مشترکہ میں افرادِ امت ہی کے مطابق ہے اگر اس کو قوتِ عادیٔ بشری حاصل نہ ہو تو وہ تکلیفِ شرعی ساقط ہو جاتی ہے۔ مثلاً وضو اور غسل کرنے کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔ اور جائز ہو جاتا ہے کہ کوئی اور شخص اعضائے وضو کو اور غسل کے لئے بدن کو دھوئے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرتِ امام حسن عسکری علیہ السلام کو زہر دے دیا گیا تو حضرتؑ کو زہر دے دیا گیا تو حضرت کی یہ کیفیت ہو گئی کہ خود وضو کر سکیں۔ پس حضرتِ امامِ زمانہ علیہ السلام تشریف لائے اور اپنے پدر بزرگوار کے اعضائے وضو کو دھویا[1] اسی طرح جب امام جعفر صادق علیہ السلام بیمار ہوئے تو حضرت کے غلاموں نے حضرت کو غسل کروایا۔[2]

دوسری مثال یہ ہے کہ اس شخص کا قتل واجب ہے جو سود کو حلال جانتا ہو لیکن اس کے لئے قتل کر سکنے کی قوت کی شرط ہے۔ اور صرف امامت کی قوت شرطِ تکلیفِ شرعی نہیں۔ اسی لئے امام جعفر صادق علیہ

---

[1] قمی نے کتاب انوار البہیۃ صفحہ ۱۶۶ پر اس روایت کو شیخؒ سے نقل فرمایا۔
[2] وسائل کے ابوابِ وضو، باب ۴۸ پر مذکور ہے۔

السلام نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے طاقت و قدرت دیتا تو میں ایسے آدمی کی گردن مار دیتا۔[1]

یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کے بعد چونکہ امیر المومنین علیہ السلام یار و مددگار نہ رکھتے تھے اور جمعیت آپ کے ساتھ نہ ہوتی، اس لئے آپ مظلوم ہو گئے اور بشری قوتِ عادی، جس کا تعلق اسباب ظاہری سے ہے، کے نہ ہونے کی وجہ سے اپنے آپ سے ظلم کو رفع و دفع نہ کر سکے۔ یہی وہ سبب ہے جس کے باعث آئمہ علیہم السلام تقیہ فرماتے تھے اور چونکہ بشری قوت عادی کے ذریعہ اپنے اپنے عزیزوں اور دوستوں سے ظلم کو دفع نہ کر سکتے تھے اس لئے صبر فرماتے اور کبھی کبھی گریہ بھی کرتے تھے۔

یہی صورت علم پیغمبرؐ و آئمہ ہدیٰ کے بارے میں ہے کہ وہ علم جو مقام رسالت و امامت کے لئے مخصوص ہے مورد تکالیف شرعیہ نہیں۔ وہ اس بات پر مامور نہ تھے کہ اپنے واقعی و حقیقی علم کے ذریعہ لوگوں سے معاشرت فرمائیں۔

مثال کے طور پر رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے اصحاب اور منافقین کے ساتھ علم بشری کے مطابق نشست و برخاست کرتے تھے اور رسالت کے مقام بلند کے علم و قدرت کے مطابق لوگوں کے ساتھ نہیں ملتے جلتے تھے۔ اگر کوئی شخص کسی امر کو ظاہر کرتا تو آپ بظاہر اسے قبول فرمالیتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کوئی اور شخص آتا اور پہلے کے خلاف کہتا۔ آپ اسے بھی قبول کر لیتے۔ حتیٰ کہ منافقین کہنے لگے "ھو اذن" یعنی پیغمبرؐ کے

---

[1] وسائل کے ابواب ریا، باب ۲ پر نقل ہوا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے ایسے ہاتھوں کو بھی چوما ہے کہ اگر مجھے قدرت حاصل ہوتی تو ان کو کاٹ ڈالتا۔

کان دوسروں کے کان ہیں۔ جو بھی لوگ کہتے ہیں اس کو قبول کر لیتے ہیں۔ چنانچہ سورۂ برارۃ میں آیت نازل ہوئی "ویقولون ھو اذن قل اذن خیر لکم یؤمن باللہ ویؤمن للمومنین۔"

آنحضرتؐ نے ولید بن عقبہ کو بھیجا کہ قبیلہ بنی المصطلق سے زکوٰۃ لے آئے۔ چونکہ اس میں اور ان قبیلہ والوں میں ماضی میں مفاہمت نہ تھی۔ اور وہ اس کے استقبال کو آئے تھے، ولید نے خیال کیا کہ وہ اس سے لڑنے کے ارادہ سے آئے ہیں۔ خدمت آنحضرتؐ میں واپس آگیا، اور عرض کیا: "یارسول اللہؐ! وہ مرتد ہو گئے ہیں اور زکوٰۃ سے انکاری ہیں" آنحضرتؐ نے ان سے جنگ کا ارادہ کر لیا۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی: "ان جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا.... الآیۃ"[1]

امیر المومنین علیہ السلام اس بات پر مامور نہ تھے کہ امامت کے علم وقدرت کے مطابق لوگوں کے ساتھ پیش آئیں۔ اسی لئے آپ دشمنوں پر لشکر کشی کرتے تھے اور قدرت امامت کو عمل میں نہیں لاتے تھے۔ اگر آپ کی رعایا کے درمیان کوئی ظلم و فساد ہوتا تو علم امامت کے ذریعہ حضرت کو معلوم ہو جاتا لیکن آپ کے لئے ضروری نہ تھا کہ اس کے مطابق اپنے عمل کو متعین کرتے جب تک کہ اسباب ظاہری کے ذریعہ شکایت آپ تک نہ پہنچتی۔ جب شکایت کی کیفیت آپ تک پہنچتی تو آپ کو تکلیف ہوتی اور ان افعال سے اپنی علیحدگی ظاہر فرماتے اور ظالم کو معزول کرنے کا حکم صادر فرماتے۔ جب تک حضرت کو شکایت کا خط نہ ملتا کسی ناراضی کا اظہار نہ فرماتے گویا کہ حضرت کو خبر ہی نہ ہو کیونکہ علم امامت موردِ تکلیف نہیں ہوتا۔

اسی اساس پر کلام امیر المومنین علیہ السلام کا مطلب واضح ہو جاتا ہے۔ جب آپ نے فرمایا: "ما ابالی ابول اصابنی او

---

[1] تفسیر صافی سورہ حجرات کے ذیل میں منقول ہوا۔

ماء اذا لم اعلم"[1] یعنی جب میرے بدن پر رطوبت کا احساس ہو اور مجھے معلوم نہ ہو کہ یہ پیشاب ہے یا پاک پانی ہے تو میں اس رطوبت کو پاک پانی ہی سمجھتا ہوں۔ خواہ وہ در اصل پیشاب ہی ہو۔

اصل بات یہ ہے کہ پیشاب سے اجتناب اس بات سے مشروط ہے کہ ثابت ہو جائے کہ پیشاب ہے۔ اور اگر یقین سے نہ جانتا ہو تو اس شخص کے لئے پیشاب کا حکم وارد نہیں ہوتا۔ یہی علم عادی بشری امام کی تکلیف شرعی پر بھی وارد ہوتا ہے۔ اگر یقین نہ ہو تو امام پر بھی اس کی تکلیف واجب نہیں۔ جب حضرت نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا تو ممکن ہے کہ اس نفی سے مراد علم ظاہری ہو یا حضرت نے نہ چاہا ہو کہ اسے جانیں۔

یہی کیفیت سیدِ مظلوم امام حسین علیہ السلام کی ہے۔ آپ علم امامت کے ذریعہ شہادت حضرت مسلم بن عقیل کے متعلق جانتے تھے لیکن چونکہ علم امامت، موردِ تکلیفِ شرعی نہیں اس لئے آپ نے کسی پریشانی و اندوہ کا اظہار نہیں فرمایا حتیٰ کہ راستہ میں عراق کی طرف جاتے ہوئے ایک عرب پہنچا جس نے حضراتِ مسلم و ہانی کی شہادت کی خبر دی جس پر حضرت نے دکھ کا اظہار فرمایا، گریہ فرمایا اور یتیمان حضرت مسلم پر مہربانی کا اظہار فرمایا۔

زرارہ نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا: "سورج کو گہن لگا ہوا تھا جب کہ میں حمام میں تھا جب میں باہر آیا تو مجھے معلوم ہوا۔ اس لئے میں نے قضا نمازِ (آیات) نہ پڑھی"[2]

---

[1] اس روایت کو شیخ طوسی نے تہذیب صفحہ ۴۲ پر نقل فرمایا۔
[2] اس روایت کو وسائل کے ابواب نماز آیات باب ۱۰ میں نقل کیا گیا۔

چونکہ حضرت علم ظاہری عادی بشری کے ذریعہ، جو اسباب ظاہری سے حاصل ہوتا ہے، سورج گہن کے بارے میں نہ جانتے تھے، یا یہ کہ جاننا نہ چاہتے تھے۔ اور حمام سے باہر آنے کے بعد علم ظاہری کے ذریعہ آپ کو پتہ چلا، اس لئے آپ نے قضا نماز نہ پڑھی۔ اس بات کا علم بذریعہ علم امامت تکلیف شرعی کو وارد نہیں کرتا۔ اس طرح یہ مسئلہ واضح ہو گیا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ وہ علم و قدرت جو مقام نبوت و رسالت و امامت سے مخصوص ہیں، شرطِ تکالیف شرعی نہیں ہیں۔ یہ بات پیغمبرؐ اکرم اور آئمہ طاہرین کے حالات و معاشرت سے لوگوں پر بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔ یعنی یہ حضرات عوام الناس کے ساتھ علم و قدرت امامت کے تحت نشست برخاست نہ کرتے تھے بلکہ وہ ان شرائط تکالیف اجزائے واجبہ میں عوام الناس کے شریک تھے۔ البتہ وہ تکالیف مخصوص پیغمبرؐ و آئمہ، جو وہ خود ہی جانتے تھے، چونکہ وہ معصوم تھے، اس لئے ان کی براری اپنے دستور و ذمہ داری کے مطابق فرماتے تھے۔ ہم اس پر اعتراض کا حق نہیں رکھتے۔

اس کے علاوہ اگر پیغمبرؐ اکرم اور آئمۂ ہدیٰ علیہم السلام علم نبوت امامت کے تحت لوگوں کے ساتھ معاشرت فرماتے تو یہ امر اصحاب میں تنفر پیدا کرتا اور ان کے درمیان اختلاف، و نزاع و نفاق و عداوت کا باعث بنتا اور اجتماع و اتفاق کی کیفیت افتراق و نفاق میں بدل جاتی مثلاً حضرت موسیٰؑ ابن عمران احکام ظاہری پر مامور تھے اور کیفیات ظاہری کے مطابق معاشرت فرماتے تھے۔ لیکن حضرت خضرؑ باطن پر مامور تھے۔ تاہم ان دونوں بزرگواروں کا بعض احکام میں اشتراک ایک دوسرے سے منافی نہیں کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک سے متعلق کچھ

احکام مخصوص بھی تھے جن کا دوسرا متحمل نہیں تھا۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے افعال کے بارے میں علم نہ رکھتے تھے۔ اس لئے ان باتوں کے متحمل نہ تھے جو حضرت خضرؑ سے مخصوص تھیں۔ لہٰذا ان کے مصالحِ باطنیہ کے اسرار سے باخبر ہونے کی طاقت پیدا نہ کر سکے جیسا کہ قرآن میں سورۂ کہف میں مفصل طور پر مذکور ہے۔

ان حالات میں جو لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم کے ہزارویں حصہ سے بھی واقف نہیں، ان کے لئے کیسے ممکن ہے کہ ان حضرات کے اسرار و مصالحِ عمل کو سمجھ سکیں جن کے دبستان میں خضرؑ جیسے ہزاروں طفل مکتب ہیں اور پھر وہ حضرات تمام عوالمِ امکان کے لئے حجتِ خدا بھی ہوں۔ کس طرح ممکن ہے کہ وہ شخص جس کا علم ایک قطرہ کے ہزارویں حصہ کے برابر ہو اس کو ان سے کیا نسبت ہو سکتی ہے جو علوم معارف کے سلسلہ میں دریاؤں کی مثال رکھتے ہوں۔ کسی طرح کوئی ان کے اسرار و مصالحِ اعمال و اقوال کی طرف متوجہ ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں ہو سکتا۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ خداوند تعالیٰ جس کو اس کے اپنے، اس کی اولاد اور اس کے دوستوں کے مقدرات سے آگاہ کرتا ہے وہ یہ حق نہیں رکھتا کہ سب کچھ جاننے کے باوجود امرِ قضا و قدرِ الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرے اور ان مقدرات سے فرار کرے۔ ان کو تو چاہئے کہ اُن مقدرات کو اس طرح تسلیم کرے کہ مقدرات کو جانتے ہوئے بھی فرض کرے کہ نہیں جانتا۔ اپنی عادت کے معمولات سے تجاوز نہ کرے بلکہ باطن میں ان ملائکہ کی طرح جو مقدرات کے اجراء پر مامور ہیں اپنے آپ کو اور ان لوگوں کو جو اس کے اختیار میں ہوں، ورودِ مقدرات کے لئے تیار رکھیں۔

مثال کے طور پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو علم نبوت کے ذریعہ

مومنین کی تقدیرات سے واقف تھے، جنگوں میں شہداء کے ناموں سے بھی واقف تھے اور جانتے تھے کہ خود ان کے چچا اُحد میں شہید ہو جائیں گے، یہ حق نہ رکھتے تھے کہ ان مقدرات سے فرار کرتے اور شہید ہوتے والوں کو جنگ سے منع فرماتے۔ لہذا چاہیئے کہ امورِ عادی کے جاری ہوتے اور دوسروں کے سلسلہ میں متعارف حدودِ بشری سے واقف ہونے ہوئے، جن کو دوسرے لوگ مقدرات کے سلسلہ میں نہیں جانتے، اپنے آپ کو حدودِ بشری سے خارج نہ ہونے دیں۔

اسی طرح امیرالمومنین علیہ السلام بھی جانتے تھے کہ آپ کو جنگیں لڑنا ہوں گی۔ اپنے اصحاب میں شہید ہونے والوں، اپنے محمد ابن ابوبکر و مالک اشتر جیسے شیعوں اور دیگر تمام لوگوں کے مقدرات سے بھی واقف تھے۔ تاہم یہ لازمی تھا کہ اپنے علم امامت کو مناط و مدارِ امور قرار نہ دیں اور نہ ہی اُن مقدرات سے فرار اختیار کریں۔ بلکہ یہ ضروری تھا کہ امورِ عادی و روزمرہ کے مطابق اپنا طریق کار رکھیں اور نہ ہی دوسروں کو ان سے تجاوز کرنے دیں۔

بالکل اسی طرح یہ ہے کہ جناب سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا اپنے ساتھ آئندہ پیش آنے والے واقعات کو جانتی تھیں۔ اس کے باوجود انہوں نے اس سے فرار نہ فرمایا اور اپنا طرزِ عمل مقررات عادی کے بالکل مطابق جاری رکھا۔

علی ہذا القیاس حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام و جناب سیدالشہداؑ علیہ السلام اور باقی تمام آئمہ ہدیٰ علیہم السلام اپنے اور دوسرے لوگوں کے مستقبل کے حالات و واقعات کو اچھی طرح جانتے تھے اور قضاء و قدرِ پروردگارِ عالم کے سامنے سرِ تسلیم خم کئے ہوئے تھے۔ اسی لیے زیارتِ جامعہ کبیرہ میں ہم پڑھتے ہیں "وسلمتم لہ القضاء" یعنی آپ نے قضا

وقدرِ پروردگارِ عالم کو تسلیم فرمایا اور اس پر عمل کیا۔

اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ اُن حضرات کے دنیوی، اُخروی اور دینی امور کا دارومدار پیغمبر اور آئمہ علیہم السلام کے علم و قدرتِ رسالت و امامت پر نہ تھا۔ نہ ہی آپ کا وہ علم عام مسلمانوں کے لئے کبھی تکلیف شرعی کا باعث ہو گا۔ تاہم کبھی کبھی اپنے علم و کمال کے اظہار کے لئے اور دوسروں پر اتمام حجت کی خاطر مستقبل کی خبر دیتے تھے۔ پھر بھی سننے والے جو ان اسرار کے متحمل ہوتے تھے۔ ان حالات کے تعارف کی حدود سے آگے نہیں بڑھتے تھے۔ نہ ہی یہ حضراتِ معصومین مقدرات سے فرار اختیار کرتے تھے بلکہ خود یا دوسرے لوگ امورِ عادی سے تجاوز نہ کرتے تھے۔ مثلاً حضرات میثم تمار و رشید ہجری و حبیب ابن مظاہر اور دوسرے ایسے ہی صاحبان جو امیرالمومنین علیہ السلام کی تعلیمات کے ذریعہ اپنے مستقبل کے حالات سے واقف ہو چکے تھے، حالاتِ روزمرہ کے مطابق عمل کرتے رہے اور اپنے مستقبل کے واقعات کی واقفیت کو ہرگز استعمال نہ کرتے تھے۔ اور یہ سب صورتیں کتبِ اخبار و تواریخ میں بروضاحت مذکور ہیں۔

سابقہ مباحث سے معلوم ہوا کہ جناب سیدالشہدا امام حسین علیہ السلام کی اصحاب و ہمشیرگان کے ہمراہ کربلا کی طرف روانگی کا باعث کیا تھا۔ حضرت کربلا کی طرف تشریف لے گئے باوجودیکہ آپ علمِ امامت سے اپنے آپ کو پیش آنے والے حالات سے کماحقہ واقف تھے۔ لیکن قوتِ عادیٔ بشری کی وجہ سے اپنے آپ پر ہونے والے مظالم کو دُور نہ کر سکتے تھے۔ یہ سب کچھ حضرت کی قوتِ عادیٔ بشری کے عین مطابق تھا کہ جب کوفہ والوں نے حضرت کو بارہ ہزار خطوط لکھے اور حضرت کو دعوت دی اور حضرت کے نائب جناب مسلم بن عقیل نے

اطلاع دی کہ اٹھارہ ہزار آدمیوں نے ان سے بیعت کرلی ہے تو حضرت نے اسباب ظاہری کو قبول فرمایا اور کربلا کی طرف نہضت فرمائی۔ پھر جب حضرت کربلا پہنچے تو دشمن کے لشکر نے حضرت کو محصور کرلیا۔ پھر اسی قدرتِ عادیٔ بشری کے تقاضوں میں حضرت دفاع نہ کرسکتے ہوئے درجۂ شہادت پر فائز ہوگئے۔ بالکل اسی طرح حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اسی قدرتِ عادیٔ بشری سے خود اپنے آپ اور اسیرانِ اہلبیت سے مظالم کو دفعہ نہ فرماسکے۔ جب کہ قدرتِ امامت آپ کے لئے موردِ تکلیف نہ تھی۔

حضرت امام حسن مجتبےٰ علیہ السلام نے زہر آلود پانی پیا۔ حالانکہ آپ علم امامت کے ذریعہ جانتے تھے لیکن وہ علمِ امامت مقام عمل پر نہ تھا۔ بلکہ عمل علم بشریٔ عادی پر تھا۔ جس کے مطابق علم نہ تھا یا یوں کہہ لیں کہ آپ نہ چاہتے تھے کہ اصلیتِ زہر کو جانیں۔ یہی کیفیت حضرات امام موسیٰ کاظم، امام رضا، حضرت امام محمد تقی اور دیگر آئمہ علیہم السلام کی ہے جو غذائے مسموم کھاکر شہید ہوئے۔ یہ سب حضرات علم امامت سے تو جانتے تھے لیکن وہ موردِ تکلیف نہیں۔ لیکن علم بشری سے ممکن نہ تھا کہ ان مسموم غذاؤں سے اجتناب کرتے اور انہیں ترک کرتے۔ اسی طرح بعض حالات میں آپ حضرات علم رکھتے ہوئے بھی مجبور ہوتے اور علم ظاہری کے لحاظ سے ایسے حالات کو ترک کرنے پر قادر نہ تھے۔

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ آئمہ علیہم السلام بعض حالات میں ظاہر علم نہ رکھتے تھے یا یہ نہ چاہتے تھے کہ ان حالات کو جانیں، یا یہ کہ ظلم کو دفع کرنے پر ظاہری اعتبار سے قدرت نہ رکھتے تھے یہی کیفیت امام رضا علیہ السلام کی ولیعہدی کی ہے۔ مامون الرشید نے آپ کو مجبور کیا کہ اس کی ولیعہدی کو قبول کریں اور کہا کہ اگر آپ نے قبول نہ کیا تو

آپ کو قتل کر دیا جائے گا۔

اس مجبوری کے تحت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: "خداوند تعالیٰ خود ہی قرآن میں فرماتا ہے "لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ" یعنی جان بوجھ کر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ لہذا میں ولیعہدی قبول کرنے پر ان حالات میں مجبور و بے بس ہوں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اگر یہاں قدرتِ امامت قابل عمل ہوتی تو پھر امام کے لئے کسی طرح کی مجبوری و اضطراب و خوف و تقیہ کی کوئی ضرورت ہی نہ ہوتی۔

پس علوم قرآن کی وضاحت سے ثابت ہو جاتا ہے کہ پیغمبر و ائمہ ہدیٰ صلوات اللہ علیہم اجمعین بندوں کے تمام اعمال کو ملاحظہ فرماتے ہیں، وہ اعمال آپ صاحبان کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ جیسا کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: "وقل اعملوا فسیری اللہ عملکم و رسولہ والمومنون" الخ (سورہ برائت / ۱۰۵۔ یعنی اے پیغمبر کہہ دیجئے کہ تم کوئی عمل نہیں کرتے مگر یہ کہ خدا و رسولؐ و مومنین تمہیں دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ لفظ "مومنون" ہر چند کہ عام ہے یعنی اس میں تمام مومنین شامل ہیں لیکن اس سے مراد خاص مومنین ہیں اور وہ مخصوص حضرات وہی ہیں جو آیۂ ولایت کا مصداق ہیں جو یہ ہے: "انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ و یؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون" یعنی تمہارا ولی (صاحب اختیار) خدا ہے یا اس کا رسولؐ اور وہ مومنین جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ (صدقہ) حالتِ رکوع میں دیتے ہیں۔ یہی تمہارے دل اور تمہارے لئے صاحب اختیار ہیں جو (خدا و رسولؐ کے بعد) حالت رکوع میں صدقہ دیتے ہیں۔ یہ آیت تمام عام و خاص مفسرین کے

مطابق حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کی شانِ گرامی میں نازل ہوئی۔ اس آیت میں بھی "مومنین" کا لفظ عام ہے لیکن اس سے خاص طور پر جناب امیرؑ مراد ہیں۔ پس یہی وہ حضرات ہیں جن سے خداوند عالم نے وعدہ فرمایا ہے کہ ان کو زمین پر اپنا خلیفہ مقرر فرمائے گا، ان کو زمین پر متمکن فرمائے گا کہ وہ بغیر کسی خوف و تقیہ سلطنت کے مالک ہوں گے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: "وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض۔ یہ آیت بھی عام ہے لیکن اس کا مقصود خاص ہے۔ چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں جو بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے مراد آئمہ اثنا عشر علیہم السلام ہیں جن کو زمانۂ رجعت میں دوبارہ دنیا میں بھیجے گا تاکہ اللہ تعالےٰ کی سلطنت و خلافت و دولت کا حق ادا ہو جائے اور وہ ہر لحاظ سے واضح و روشن ہو جائے۔

کسی عام لفظ کا استعمال خاص کیفیت کے لئے عقل و عرف دونوں لحاظ سے صحیح ہے۔ یہ اصول عقل و شرع کے نزدیک تو بالکل واضح ہے لیکن اصطلاحی طور پر بھی ایک مثال سے اس کی صحت ظاہر ہو جاتی ہے۔ مثلاً اگر یہ حکم ہو جائے کہ اکیس ۲۱ سال کی عمر کے جوانوں کو سرکاری خدمات کے لئے حاضر ہونا پڑے گا۔ تو ہر حاکم و والی یہی کہے گا، کہ اس عام حکم سے خاص مراد لی جائے۔ یعنی اس سے وہ لوگ مراد ہوں گے جو کسی لکھے کے نہ تو کفیل ہوں اور نہ ہی کسی گھر میں اولادِ واحد ہوں۔ لہذا حاکم کا حکم قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ مرادِ قانون کو سب سے بہتر جانتا ہے۔

جناب امام محمد باقر، امام جعفر صادق اور امام رضا علیہم السلام نے فرمایا کہ اس آیۂ مبارکہ میں لفظ "مومنین" سے حضرت امیرالمومنین اور

باقی تمام آئمہ علیہم السلام مراد ہیں[1]

یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر اس آیت میں "مومنین" سے مراد عام طور پر تمام مومنین ہوں تو دعویٰ کا جھوٹ بالکل سامنے آجاتا ہے کیونکہ تمام افرادِ مومنین سب لوگوں کے اعمال سے آگاہ نہیں ہوتے۔ لیکن کوئی اگر یہ کہے کہ اعمال سے تمام اعمال نہیں بلکہ بعض مراد ہیں تو یہ بھی واضح

---

[1] اس روایت کو کافی کے باب "عرضِ اعمالِ پیغمبرؐ و امامان علیہم السلام میں نقل کیا گیا ہے اسی باب میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: "میرے لئے اور میرے اہلبیت کے لئے دعا فرمائیے"۔ حضرت نے فرمایا: لیکن میں تمہارے لئے دعا نہیں کرتا۔ خدا کی قسم تمہارے ہر روز و شب کے اعمال میرے سامنے پیش کئے جاتے ہیں"۔ اس کے بعد حضرت نے اس آیہ مجیدہ کو تلاوت فرمایا۔ اسی طرح کتاب شریف بصائر کی جلد ۹ باب ۴، ۵، ۶ صفحہ ۴۲۴ تا ۴۳۱ پر ایسی انتالیس ۳۹ روایات صحیح و معتبر نقل کی گئی ہیں کہ تمام نیکوں اور بدوں کے اعمال قیامت کے دن تک ہر روز پیغمبرؐ اور اماموں کے سامنے، خواہ وہ دنیا میں موجود ہوں یا عالمِ آخرت کو رخصت ہو چکے ہوں پیش کئے جاتے رہیں گے۔ ان روایات کے لئے اسی آیہ مبارکہ پر استدلال کیا گیا ہے اور آیت میں مومنین کی تفسیر میں آئمہ قرار دئے گئے ہیں۔ اسی پر دلالت کرتی ہیں۔ تفسیر عیاشی و نور الثقلین میں سولہ روایات، تفسیر برہان میں تیس ۳۰ سے زیادہ روایات، تفسیر صافی میں دس روایات، کتاب شریف "وسائل" میں کتاب کے آخر میں جہادِ نفس کے موضوع پر ۴۳ روایات، مستدرک میں ۱۱ روایات اور بحار میں بہت سی روایات جن کی تشریح "سفینہ" اور مستدرک میں لفظ "عرض" کی لغت میں ہیں۔ لغت میں "عرض" کے معنی "اظہار رائے" ہوتے ہیں۔ چنانچہ "منجد" و "مجمع" و "قاموس" وغیرہ میں بھی اسی طرح مذکور ہوا ہے۔

طور پر غلط ہے کیونکہ ہر کافر و مشرک بھی دوسروں کے بعض اعمال کو دیکھ ہی لیتا ہے اور یہ کوئی کمال نہیں درآنحالیکہ یہ احتمال بعض افعال خدا و رسولؐ کے بارے میں صحیح نہیں۔ لہذا لازم ہے کہ "مومنین" سے مراد عام مومنین نہیں بلکہ کچھ مخصوص اشخاص کا ہونا ضروری ہے وُہ لوگ صریح و واضح روایات کے مطابق آئمہ ہدیٰ علیہم السلام ہی ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ جس طرح خداوند عالم تمام اعمالِ بندگان کو بذاتِ مقدس خود ملاحظہ فرماتا ہے اس طرح پیغمبرؐ و آئمہ علیہم السلام سب بندوں کے اعمال کو دیکھتے ہیں لیکن پیغمبرؐ و ائمہ علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی اجازت و مرضیٔ خدا سے ایسا کرنے پر قادر ہیں۔ وہ اپنی ذات سے اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے۔

حسین بن رُوح جو امام زمانہ علیہ السلام کے نائبِ خاص ہیں اور جن کی عظمت و جلالتِ شان مشہور و معروف ہے، فرماتے ہیں: "ہمارے اصحاب مسئلہ تفویض وغیرہ میں اختلاف کرنے لگے۔ میں ابو طاہر بن بلال کے پاس گیا جب کہ وہ اپنے دین میں استقامت و سلامتی کا حامل تھا۔ اور اس کے سامنے اس اختلاف کو پیش کیا۔ اس نے کچھ مہلت مانگی۔ میں واپس آگیا۔ چند روز بعد پھر اس مشکل کے حل کے لئے اس کے پاس گیا۔ اس نے میرے سامنے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث بیان کی کہ حضرت نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو بعض امور کو پیغمبرؐ و امیر المومنینؑ و دیگر آئمہ تا امامِ زمانہ علیہم السلام کے سامنے رکھ کر ان کو آگاہ کر دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ بات دنیا میں ظاہر ہوتی ہے اور تحقیق کے مقام سے باہر لوگوں تک پہنچتی ہے۔ پھر جب ملائکہ چاہتے ہیں تو عمل کو آسمان پر لے جاتے ہیں۔ لیکن پہلے وُہ ان (معصومین) کی خدمت میں پیش کرتے

ہیں اور اس کے بعد اعمال کو آسمان کی طرف لے جاتے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہے وہ سب سے پہلے ان (معصومین) پر نازل ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس کا صدور ہوتا ہے اور پھر وہ اوپر آسمان کی طرف روانہ ہوتا ہے لیکن وہ ایک چشم زدن جتنے وقفہ کے لئے بھی پروردگارِ عالم سے بے نیاز نہیں ہوتے یعنی ہر چیز کے علم کے لئے وہ پروردگارِ عالم کے محتاج ہیں کہ اگر خدا کی جانب سے کسی چیز کا علم اُن تک نہ پہنچے تو وہ خود اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے۔[1]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے جدِّ بزرگوار حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت میں فرمایا: "ارادة الرب فی مقادیر اموره تهبط الیکم و تصدر من بیوتکم۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کے امور کے مقدرات کے بارے میں آپ پر نازل و وارد ہوتا ہے اور آپ کے گھروں سے اس کا صدور ہوتا ....."[2]

اسی طرح حدیثِ معراج میں ہے: "قالت الملٰئکة لرسول الله فما نزل من الله ما الیکم و ما صعد الی الله فمن عندکم..." یعنی ملائکہ نے خدمتِ پیغمبرؐ میں عرض کیا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی جانب

---

[1] اس خبر شریف کو شیخ طوسی نے کتاب "غیبت" صفحہ ۲۵۲ پر امام زمانہ علیہ السلام کے سفیرِ کبیر حسین بن روح کے احوال میں ان بزرگوار سے بسندِ صحیح نقل فرمایا ہے۔

[2] اس زیارت کو شیخ کلینی نے کتاب شریف کافی کے باب "زیارتِ قبرِ حسین علیہ السلام" میں سندِ معتبر کے ساتھ، شیخ طوسی نے کتاب "تہذیب" ، ابن قولویہ قمی نے "کامل الزیارة" میں اور دیگر حضرات نے بھی نقل کیا ہے۔ صدوق اس کو صحیح ترین زیارات جانتے ہیں۔ چنانچہ یہ مفاتیح میں ان سے منقول ہوئی ہے۔

سے نازل ہوتا ہے وہ آپ کے سامنے آجاتا ہے اور جو کچھ اللہ تعالےٰ کی طرف روانہ ہوتا ہے وہ آپ کے پاس سے بلند ہوتا ہے۔[1]

اسی طرح ارشاد ہوتا ہے: "وکذالک جعلنا کم امۃ وسطا لتکونوا شھدا و علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا" (سورہ بقر/۱۴۳)

یعنی ہم نے تمہیں (کامیاب) جماعتِ وسط قرار دیا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور ہمارا رسولؐ تم پر گواہ ہو۔

جیسا کہ صریح روایات معتبرہ سے ثابت ہوتا ہے امتِ وسط سے مراد آئمہ علیہم السلام ہیں کیونکہ وہی حضرات (لائق درود) دُنیا میں تمام لوگوں کے گواہ ہیں اور آخرت میں پروردگارِ عالم کی عدالت میں اپنی شہادت کو ادا فرمائیں گے۔ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئمہ کے کارِ تبلیغ پر گواہ ہوں گے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ امت وسط سے جملہ مسلمان مراد ہوں جو پیغمبرؐ آخرالزمان کی امت ہیں۔ کیونکہ وہ لوگ جن کی اس دنیا میں ایک من کھجور پر گواہی قبول نہیں کی جاتی تو کیسے ممکن ہے کہ آخرت میں تمام مخلوق پر ان کی گواہی انبیاء و اولیاء کے بالمقابل قابلِ قبول ہو (اسی نکتہ کی طرف امام جعفر صادق علیہ السلام نے عیاشی کی روایت میں اشارہ فرمایا ہے) پس معلوم ہوا کہ یہاں گواہوں سے تمام افرادِ امت مراد نہیں بلکہ بعض مراد ہیں اور یہ بعض حضرات واضح وصریح روایات کے مطابق عترتِ پیغمبرؐ کے افراد ہیں جو قرآن کے مصادیق ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم دونوں سے متمسک رہیں یہ حضرات آئمہ اثنا عشر ہیں جو فرماتے ہیں کہ ہم ہی پروردگارِ عالم کی

---

[1] اس حدیث کو بحار کمپانی، جلد ۶ صفحہ ۴ اور طبع جدید جلد ۱۵ صفحہ ۸ پر ملاحظہ فرمائیں۔

مخلوق پر گواہ اور ایزدِ متعال کی حجت ہیں ؎۱

پھر ارشاد ہوتا ہے: "افمن کان علی بینۃ من ربہ ویتلوہ شاھد منہ" سورہ ہود/۱۷۔ (یعنی وہ لوگ پروردگارِ عالم کی طرف سے وضاحت پر ہیں اور ان کے پیرو شاہد و گواہ ہیں جو انہی سے ہیں)۔ بینہ پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں اور اس امر میں کوئی اختلاف یا شبہ نہیں اور ان کے پیرو علی ابن ابی طالب امیرالمومنین علیہ السلام ہیں کہ یہ شاہد تالیٔ رسول وہی ہو سکتا ہے جو نجاست کفر و

؎۱ پس واضح ہوا کہ آئمہ اثناعشر کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر شاہد اپنی حجت اور اپنا امین مقرر فرمایا ہے۔ اس بات کی دلیل میں اتنی روایات ہیں جو حدِ تواتر سے زیادہ ہیں ہم ان میں سے صرف چند کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ کافی کے باب "امامان مخلوق پر شاہد پروردگار ہیں" میں اس موضوع پر چار روایات نقل ہوئی ہیں۔ کتاب بصائر جلد ۲ باب ۱۲ میں پانچ روایات اس آیت کی تفسیر میں مذکور ہیں کہ آئمہ علیہم السلام اللہ کی مخلوق پر شاہد ہیں۔ ان میں چھٹی روایت امیرالمومنین سے صحیح سند کے ساتھ مذکور ہے کہ حضرت نے فرمایا" اللہ تعالیٰ نے ہمیں پاک و معصوم قرار دیا۔ ہمیں مخلوق پر گواہ اور زمین پر اپنی حجت مقرر فرمایا اور ہمیں قرآن کے ساتھ اور قرآن کو ہمارے ساتھ قرار دیا۔ نہ تو ہم قرآن سے جدا ہوتے ہیں اور نہ ہی قرآن ہم سے جدا ہوتا ہے"۔ اسی کی جلد ۹ باب ۷ میں تین روایات میں ارشاد فرمایا "ہم خدا کے سامنے زمین پر اس کے گواہ ہیں"۔ تفسیر عیاشی میں پانچ، برہان میں گیارہ، نور الثقلین میں گیارہ، بحار کمپانی جلد ۷ صفحہ ۶۹، باب "عرض اعمال بر امامان و آنکہ آنانند شہدائے بر خلق" میں اس موضوع کے ثبوت میں ستر سے زیادہ روایات منقول ہوئی ہیں۔ اس سے زیادہ مواقع کے لئے کتاب سفینہ و مستدرک سفینہ میں لفظ "شہد" کی لغت کی طرف رجوع کریں۔

معاصی میں خود رسولؐ کی منزل پر ہو۔ اور کمالات و فضائل میں بھی انہی جیسا ہو اور وہ ہستی حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ہے کیونکہ حضرت کو آیہ مباہلہ میں (بذریعہ کلمہ انفسنا) اللہ تعالیٰ نے نفسِ پیغمبرؐ کی منزل پر قرار دیا ہے۔ نیز آیہ تطہیر: "انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا" میں اللہ تعالیٰ نے حضرت کی پاکیزگی کی گواہی دی ہے۔ (چنانچہ تمام مفسرین عام و خاص نے آیۂ تطہیر کو پیغمبرؐ و علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کی شان میں ہونے پر اتفاق کیا ہے)۔ صریح و واضح روایاتِ معتبرہ میں ہے کہ خود امیرالمومنینؑ اور ان کے فرزندوں نے فرمایا کہ اس آیتِ اول الذکر میں شاہد سے مراد حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں اور یہ روایات معتبر کتب شیعہ مثلاً: کافی، بصائر، تفسیر قمی، امالی شیخ طوسی، احتجاج طبرسی، کتاب سلیم بن قیس، تفسیر عیاشی، فرات، مجمع البیان، امالی شیخ مفید وغیرہ میں منقول ہیں [1]

جمہورِ علمائے اہل سنت نے بھی اپنی بیس۲۰ سے زیادہ کتب میں یہ روایت تحریر فرمائی ہے [2]

---

[1] اس بات کی روایت بحار جلد ۳۵ صفحہ ۳۸۶ پر پندرہ سے زیادہ، تفسیر نور الثقلین میں دس، صافی میں گیارہ، برہان میں سات ہیں۔ نیز محمد بن العباس مفسر نے اپنی تفسیر میں ۳۶ طریق سے اس روایت کو نقل کیا ہے۔

[2] یہ روایت ایسی کتب میں ہے جیسا کہ تفسیر ثعلبی میں تین روایات ہیں۔ بغوی نے معالم التنزیل میں ایک روایت اور اسی طرح تفسیر طبری میں، گنجی نے کفایۃ الطالب میں، تفسیر نیشاپوری، تفسیر خازن، فتح البیان، فخر رازی، تفسیر قرطبی، ابی حیان اندلسی کے بحر المحیط اور ابن جوزی نے اپنی کتاب تذکرہ میں دو روایتیں، تفسیر ثعلبی

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

میں نے اپنی کتاب "ابوابِ رحمت" میں ان حضرات کے کمالات و علوم و مقامات و شانِ جلالت و جمال کے بارے میں کسی قدر تشریح کی ہے۔ اس کی طرف رجوع فرمائیں۔

میرے دینی بھائیو! اگر آپ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اور اپنے اماموں کو پہچان لیا تو آپ سمجھ جائیں گے کہ اگرچہ یہ بزرگوار ہستیاں یعنی پیغمبر اور گیارہ امام علیہم السلام اس دنیائے فانی سے آخرت کو منتقل ہو چکے ہیں۔ تاہم ان کے علوم و کمالات و قدرت میں کسی طرح کمی واقع نہیں ہوئی۔ ماضی و مستقبل کی تمام مخلوق کو جانتے ہیں، مخلوقِ خدا پہ شاہد ہیں، لوگوں کے اعمال کو ملاحظہ فرماتے ہیں اور خالق و مخلوق کے درمیان واسطۂ فیضِ خداوندی ہیں۔

(بقیہ حاشیہ) اور سیوطی نے درالمنثور میں چار روایات آلوسی نے روح المعانی میں تین روایات، قندوزی نے ینابیع المودۃ میں گیارہ روایات، ابن جریر طبری و حافظ ابو نعیم نے تین طرق سے نقل کی ہیں۔ چنانچہ علامہ قاضی نور اللہ نے احقاق الحق، جلد ۳ صفحہ ۲۵۳ پر اور علامہ مرعشی نجفی نے اس سلسلہ میں تشریح فرمائی ہے۔ تفسیر برہان میں حافظ ابو نعیم، خطیب خوارزمی، فسیح الخطیب، تفسیر ثعلبی، قاضی عثمان، ابو نفر قشیری، ابن مغازی شافعی، موفق ابن احمد خوارزمی، ابن مردویہ اور بہت سے دوسرے لوگوں نے بیس کے قریب روایات پیش کی ہیں۔ بحار میں بھی انہی لوگوں سے اور نطنزی (کتاب خصائص میں) ابن طریق، ابن ابی الحدید، ابن عساکر نے ۲۳ سے زیادہ افراد سے اس روایت کا ذکر کیا ہے، فخر رازی نے کہا ہے اس آیت میں کلمہ "منہ" سے محمدؐ اور ان کے بعض قریبی بہ لحاظ شرافت مراد ہیں جو شاہد ہیں۔ حقیر مؤلف کہتا ہے کہ کلمہ "منہ" اس کلام رسول کا مدرک ہے کہ "علیؑ منی و انا منہ" علمائے عام و خاص نے اس حدیث کو پیغمبرؐ سے نقل کیا ہے۔

برادرانِ ایمانی! اللہ تعالےٰ نے اپنے پیغمبرؐ اور آئمہؑ اثنا عشر کو اپنے اور مخلوقات کے درمیان واسطہ و وسیلہ قرار دیا ہے۔ اسی لیئے ارشاد ہوتا ہے: "یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ" سورہ مائدہ/ ۳۵۔ یعنی، اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اللہ کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ اور آئمہ علیہم السلام فرماتے ہیں کہ ہم ہی اللہ تعالےٰ کے لئے وسیلہ ہیں۔

اس کے علاوہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ "وسیلۂ پروردگار میں ہوں"۔ نیز حضرت امام رضا علیہ السلام نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کے اوصاف کے سلسلہ میں روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ آئمہ ہی اللہ تعالےٰ کی طرف وسیلہ ہیں[1]

پھر ارشاد ہوتا ہے "وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بھا" سورہ اعراف/ ۱۸۰ یعنی اللہ تعالےٰ کے لئے ہی ہیں اسمائے حسنیٰ۔ پس اللہ تعالیٰ کو انہی اسماء سے پکارو۔

اسمائے باری تعالیٰ دو قسم کے ہیں۔ ایک قسم کو اسمائے لفظی اور دوسری قسم کو اسمائے تکوینی کہتے ہیں۔ اسمائے لفظی ایسے نام ہیں، جیسے اللہ، رحمٰن، رحیم۔ اللہ تعالےٰ نے اسماء کو خود اپنے لئے قرار دیا۔ تاکہ ان سے گفتگو میں صرف اللہ ہی کی طرف اشارہ ہو اور یہ اللہ کی علامت ہیں۔ ان سے اللہ تعالےٰ کی وحدانیت، اس کے رسول کی رسالت کا

---
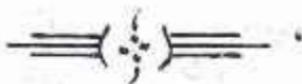
[1] یہ روایات دیگر روایات کے ساتھ تفسیر برہان و تفسیر نورالثقلین، بحار کمپانی جلد ۷ صفحہ ۲۱ کے باب "امامان وسیلہ بین خالق و مخلوقند" منقول ہوئی ہیں۔ اس کتاب میں بھی اس موضوع پر تین روایات گزر چکی ہیں کہ آئمہ ہی اللہ تعالیٰ کی مخلوق تک نعمات کے پہنچنے کا وسیلہ ہیں۔

اقرار مراد ہے اور ان سے اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اس کی عبادت، حضرت کی جانب سے اس کی تبلیغ مقصود ہے۔ اگر یہ اسمائے گرامی نہ ہوتے تو بندوں کے لئے ممکن نہ ہوتا کہ اس کی وحدانیت اور رسول کی رسالت اور اللہ کی طرف دعوت اور اس کی طرف توجہ و عبادت کو سمجھ سکیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے یہ اسمائے حسنیٰ بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی شہادت و عبادت و ثنا و شکر و حمد و تمجید کا وسیلہ ہیں۔ اگر یہ اسمائے گرامی نہ ہوتے تو اللہ تعالےٰ کی معرفت و عبادت کے لئے راہ متعین نہ ہوتی۔ مثلاً اسم مقدس رحمٰن و رحیم میں اللہ تعالےٰ کی رحمت غیر متناہی کا ذکر ہے اور اسم عالم میں پروردگارِ عالم کے علیم و علام ہونے کا تصور ہے۔ اسی طرح قادر و قدیر میں اس کی قدرت کا اظہار ہے۔

اسمائے تکوینی جیسے محمدؐ و آلِ طیبین و طاہرین علیہم السلام مراد ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے خلق فرمایا۔ اور اپنے قرآن مجید میں ان کو صراطِ مستقیم صراط سوی، سبیل اللہ، آیات بینات و علامات و اسمائے حسنیٰ سے تعبیر فرمایا۔ پس وہی ہیں راہ راست و نشانی ہائے روشن اللہ تعالیٰ کی طرف۔ امام کا علم و قدرت، خالق و مالک کے علم و قدرت کی نشانی اور نمونہ ہیں علم و قدرت امام علم و قدرتِ پروردگار کی طرف رہنمائی کرتے ہیں ان سے اس خالقِ بے چوں کے عالم و قادر ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ انہی کے وسیلہ و واسطہ سے لوگ اللہ تعالیٰ کی معرفت و عبادت کی راہ پاتے ہیں [1]۔

---

[1] یہ روایات کہ ہم ہیں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ" بہت ہیں۔ تفسیر عیاشی میں اس آیت کے ذیل میں اور اسی طرح تفسیر برہان و نور الثقلین و صافی و بحار میں متعدد مقامات پر یہ روایات نقل ہوئی ہیں۔ ان کی طرف رجوع فرمائیں۔ مستدرک سفینہ میں لفظ "سمی" کی لغت کے موقعہ پر بھی یہ روایات مذکور ہیں۔

پیغمبرانِ ماسلف اپنے مصائب میں محمدؐ وآلِ محمد علیہم السلام سے متوسل ہوتے تھے، خداوند تعالےٰ کو ان کے حق، ان کی شان وجلال کی قسم دیتے تھے، ان کو اپنے اور اللہ تعالےٰ کے درمیان شفیع قرار دیتے تھے۔ اس سے ان کی حاجات پوری ہوتیں اور مصائب رفع ہوتے تھے[۱]

---

[۱] اس اجمال کی تفصیل کے لئے اور تشریح کی خاطر بحار کمپانی جلد ۷، صفحہ ۳۵۰۔ جلد ۱۹، کتاب دعا صفحہ ۶۲، کتاب الواب رحمت صفحہ ۳۷-۴۰ وسفینۃ البحار اور مستدرک سفینہ میں لفظ "حقق وسل" کی لغت کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

بارہویں فصل

یہ فصل پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کی قبورِ مقدسہ و مطہرہ کی زیارت کی تاکید و ترغیب کے بیان میں ہے۔

جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے کعبۂ معظمہ کو اس طرح شرافت و فضیلت مرحمت فرمائی کہ اس کو خود اپنی طرف نسبت دیتے ہوئے فرمایا: "کعبہ میرا گھر ہے اور مساجد بھی میرے گھر ہیں"۔ ایک زمانہ کو بھی برگزیدہ فرمایا اور شرافت عطا فرمائی۔ جیسے کہ ماہِ رمضان کے متعلق فرمایا: "ماہِ رمضان اللہ کا مہینہ ہے"۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے ایسے بندے پیدا کیے جن کو تمام مخلوقات پر افضلیت و شرافت عطا فرمائی۔ اُن کو ہر قسم کی خطا و لغزش سے محفوظ فرمایا اور انہیں پاک و پاکیزہ قرار دیا۔ لہٰذا اُن کی اطاعت کو اپنی اطاعت، اُن کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی، ان سے محبت کرنے کو اپنی محبت اور اُن سے دشمنی کو خود اپنے ساتھ دشمنی قرار دیا۔ ان کے خون کو ان کی شرافت و فضیلت کے حوالہ سے اپنے ساتھ نسبت دی۔ اسی لئے زیارتِ جناب سید الشہداء علیہ السلام میں وارد ہوتا ہے: "یا ثار اللہ و بن ثارہ" (اے وہ کہ جس کے خون کا انتقام اللہ لینے والا ہے۔ اور اس کے بیٹے جس کا انتقام اللہ نے لیا)۔ اللہ تعالےٰ نے ان سے بیعت کو خود اپنی بیعت فرمایا جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: "ان الذین یبایعونك انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم" یعنی اے اللہ کے رسولؐ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں، بس ایسا ہی ہے کہ گویا وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں۔ کیونکہ آپ کا دستِ اقدس، اس شرافت و قدرت و فضیلت کے باعث جو

ان کو اللہ تعالےٰ نے مرحمت فرمائی ہے، خود خدا کا ہاتھ ہے۔ لہٰذا یہی ہیں یداللہ و وجہ اللہ۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سی روایات میں پیغمبرؐ و ائمہ علیہم السلام کی قبور مقدسہ کی زیارت کو خدا کی زیارت کہا گیا ہے۔

پس جو لوگ ان معصومین کی امامت و ولایت و خلافت کے معتقد ہیں، جانتے ہیں کہ ان کے اعمال پیغمبرؐ و ائمہ علیہم السلام کی خدمت اقدس میں پیش ہوتے ہیں اور ان کو مخلوقات پر گواہ تسلیم کرتے ہیں ان کو چاہیئے کہ وہ اپنے آقایان سے خلوص و ارادت قائم کرکے اپنی دوستی و عقیدت کا اظہار کریں، ان کو سلام بجالائیں اپنے اعتقادات کو ان کی خدمت میں پیش کریں، ان کو اپنے عقیدہ پر گواہ قرار دیں اور ان سے درخواست کریں کہ احتیاج کے وقت (موت کے وقت اور اس کے بعد) اپنے دوستوں کے ایمان و حسن عقائد کی شہادت دے کر ان کے لئے عذاب سے نجات حاصل کریں۔

یہ عقیدت مند اگر دور سے زیارت بجالائیں تو ان دوستوں کا سلام ان کے آقایان تک جو پروردگار عالم کی حجتیں اور خلفاء ہیں، پہنچ جاتا ہے۔ یہ بات روایات واضح و متواترات سے ہے۔ اگر ممکن ہو تو چاہیئے کہ ان کی قبور اقدس کی زیارت کے لئے جائیں، وہاں اپنے خلوص و عقیدت کو پیش کریں۔ پس لازم ہے کہ شیعہ دور یا نزدیک سے جیسے بھی ممکن ہو اپنے مولایان کی قبور مقدسہ کی زیارات بجالائیں، اپنی حاجات و مصائب میں اُن سے متوسل ہوں ان کو اپنے اور خالق کے درمیان وسیلہ و شفیع قرار دیں تاکہ اللہ تعالےٰ ان کی حاجات کو بر لائے، ان کے مصائب کو رفع فرمائے تاکہ ان کی معرفت و محبت میں اضافہ ہو اور اللہ تعالیٰ ان کی حاجات کو

پورا کرکے پیغمبرؐ اور اُن کے اوصیاء کی حقانیت کی شہادت دے، جیسا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ آنحضرتؐ کی حقانیت کا شاہد ہے۔

جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت مولائے متقیان جناب امیرالمومنین علیہ السلام کو ان کی شہادت کی خبر دی تو جناب امیرؑ نے عرض کیا: "یا رسول اللہؐ! اگر کوئی ہماری قبروں کی زیارت کو آئے تو اس کو کتنا ثواب ہوگا؟"

رسول اللہؐ نے فرمایا: "یا علیؑ! خداوند تعالےٰ واحد ہے تمہانے تم پر الطاف فرمایا اور آپ کی اور آپ کے فرزندوں (اماموں) کی قبور کو بقعہ ہائے بہشت اور مقامات جنت قرار دیا۔ انسانوں میں نجیب و برگزیدہ لوگوں کو آپ حضرات کی طرف مائل فرمایا کہ ذلت و اذیت کے متحمل ہوکر بھی آپ کی قبور مقدسہ کی پروردگارِ عالم کے تقرب اور دوستیٔ محمدؐ مختار کی خاطر زیارت کریں۔ یا علیؑ! یہ لوگ میری طرف سے شفاعت کے لئے مخصوص ہیں۔ یہ لوگ میرے حوض (کوثر) پر وارد ہوں گے اور جنت میں میری زیارت کے لئے آئیں گے۔ یا علیؑ! جو شخص آپ کی قبور کو تعمیر کروائے گا تو گویا اس نے بیت المقدس کی تعمیر میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی اعانت کی۔ آپ کی قبور کی زیارت کا ثواب ستر حج کے ثواب کے برابر اور گناہوں کی بخشش کا باعث ہوگا۔ پس آپ کو اس امر کی بشارت ہو اور آپ اللہ تعالےٰ کے اس لطف و احسان کی اپنے دوستوں اور شیعوں کو بشارت پہنچا دیں۔ یہ بھی جان لیں کہ لوگوں کی ایک جماعت اس کو اچھا نہیں سمجھتے۔ وہ آکر آپ کی قبور کے زائرین کو سرزنش کرتے ہیں۔ یہ لوگ میرے امت کے شریر اور بدکار ہیں۔ اللہ تعالےٰ میری شفاعت ان تک نہیں پہنچائے گا۔ اور ان کو میرے

حوض (کوثر) پر وارد نہیں ہونے دے گا۔" [1]

آنحضرتؐ اور آئمہ کی قبور مقدس کی زیارت کے سلسلہ میں بہت روایات میں جو حد تواتر سے زیادہ ہیں۔ کتاب کافی میں (جلد ا صفحہ ۱۰۹) ان حضرات کی زیارت قبور کی فضیلت و شرف میں روایات نقل کی گئی ہیں [2] اسی طرح شیخ بزرگوار ابن قولویہ قمی نے کتاب کامل الزیارۃ میں ۵۶، روایات اس موضوع پر تحریر فرمائی ہیں۔ [3]

عالم عامل کامل شیخ حر عاملی نے اپنی کتاب "وسائل" میں اس

---

[1] اس روایت کو سید ابن طاؤس نے کتاب "فرحۃ الغری" میں چند اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے۔ نیز شیخ طوسی نے کتاب "تہذیب" میں جو شیعوں کی چار اہم ترین کتابوں میں سے ایک ہے اور بحار و وسائل میں اس روایت کو درج کیا ہے۔

[2] کتاب کافی ثقۃ اہل اسلام و مسلمین محمد بن یعقوب کلینی کی تالیف ہے۔ انہوں نے اس کو بیس سال کی مدت میں بہت دقت کے ساتھ لکھا ہے۔ غیبت صغریٰ کے زمانہ میں امام زمانہ علیہ السلام نے ملاحظہ فرمایا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب لوگ حضرت کے چار مخصوص نائبوں کے ذریعہ حضرتؑ کی زیارت اور خط مبارک حاصل کیا کرتے تھے۔ حضرت کے معجزات ان چار بزرگوں کے توسط سے ظاہر ہوتے تھے۔ اس نیابت آخری سال میں کلینیؒ نے بھی انتقال کیا لہٰذا کتاب کافی شیعہ کتب میں سب سے اہم واضح ہے۔ حضرت سے نسبت دی جاتی ہے کہ آپ نے فرمایا "الکافی کاف لشیعتنا"، یعنی کتاب کافی ہمارے شیعوں کو کفایت کرتی ہے۔

[3] ابن قولویہ قمی قدیم علمائے شیعہ سے ہیں۔ علمائے شیعہ کا ان کی وثاقت وجلالت وعدالت و بزرگی پر مکمل اتفاق ہے۔ ان بزرگوار نے ۳۳۷ھ میں امام زمانہ کی خدمت میں عریضہ ارسال کیا۔ حضرت نے جواب میں فرمایا کہ یہ مرض ٹھیک ہو جائے گا اور تم تیس سال اور زندہ رہو گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس عریضہ کی تفصیل کتاب "ارکان دین، صفحہ ۱۵۲ اور بحار کمپانی جلد ۱۳ صفحہ ۱۱۹ اور جلد ۲۱ صفحہ ۱۵ پر مرقوم ہے۔

سلسلہ میں ۵۱۸ صحیح و معتبر روایات منقول فرمائی ہیں۔[1]

علامہ نوری نے کتاب "مستدرک وسائل" میں ۳۶۰ سے زیادہ روایات نقل کی ہیں۔[2]

---

[1] کتاب وسائل اہم شیعہ کتب سے ہے۔ اس پر تمام شیعہ علماء و فقہاء و مجتہدین کا اتفاق ہے۔ تمام احکام شرعیہ امامیہ کے مدارک اس میں جمع کئے گئے ہیں اور تمام فقہاء اپنے فتاویٰ اسی پر مبنی رکھتے ہیں۔

[2] علامہ نوری ثقہ علمائے شیعہ سے ہیں اور انہیں علامہ مجلسی دوم کہا جاتا ہے۔

کتاب شریف "الغدیر"، طبع دوم جلد ۵ صفحہ ۸۶ پر تحریر فرماتے ہیں کہ صدرِ اسلام سے لے کر زمانۂ حال تک مسلمانوں کا یہ عمل جاری ہے کہ وہ ان قبور کی زیارت کرتے ہیں جن میں کوئی پیغمبر مرسل یا امام یا بزرگِ دین مدفون ہو۔ ان میں بہترین و افضل ترین قبر مقدسِ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہے۔

ان قبورِ پاک کے قریب نماز پڑھنا، صاحب قبر سے توسّل، دعا و تبرک نزدِ قبر، ان مشاہد مقدسہ کے وسیلہ سے پروردگار عالم سے تقرب تمام فرقِ علمائے مسلمین کے نزدیک ایک امرِ مقبول ہے۔ مسلمانوں کے بڑے علماء کی ایک جماعت نے قبر منورِ پیغمبرؐ کی زیارت کی فضیلت و استحباب پر اجماع کیا ہے۔ اس موضوع پر تمام مسلم فرقوں نے اتفاق کیا ہے۔ صرف ابن تیمیہ حرانی نے اس کی مخالفت کی ہے اور قبر پیغمبر اکرمؐ کی زیارت کو حرام قرار دینے کا فتویٰ دیا ہے۔ اسی لئے اُس زمانہ کے علماء و قضاۃ اور بعد میں آنے والے علماء نے اس کی تکفیر کی ہے اور اس کے خون و مال کو حلال قرار دیا ہے۔

الغدیر کے صفحہ ۹۲ پر پیغمبر اکرمؐ سے روایت درج ہے کہ حضرت نے فرمایا: "جو شخص میری قبر کی زیارت کرے تو میری شفاعت اس کے لئے ثابت ہے۔" اس روایت کو اہل سنت کے چالیس سے زیادہ علماء نے نقل کیا ہے اور اس کے صحیح

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

علامہ مجلسی اور شیخ طوسی نے تہذیب میں، شیخ صدوق نے کتاب فقیہ میں اس موضوع کو اختیار کیا ہے اور دیگر علماء نے اس موضوع پر عربی و فارسی زبانوں میں کتب تحریر فرمائی ہیں۔ ہم نے بھی اپنی کتاب

(بقیہ حاشیہ) ہونے کی تصدیق کی ہے)۔ اسی موضوع پر دیگر بہت سی روایات بھی منقول ہوئی ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: "جس نے میری قبر کی زیارت کی گویا اس نے میری حیات میں میری زیارت کی۔ جو کوئی خانۂ خدا کا حج کرے اور میری زیارت نہ کرے اس نے مجھ پر ظلم کیا۔" صاحب الغدیر نے اس موضوع پر بہت سی روایات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بائیس ۲۲ احادیث پر اکتفا کیا ہے اور یہ احادیث علمائے اہل سنت کے ایک سو پچاس سے زیادہ حضرات نے نقل کی ہیں۔ علامہ نوری نے صفحہ ۱۰۹-۱۲۵ پر علمائے اہل سنت کے بیالیس ۴۲ علمائے کے اقوال آنحضرتؐ کی زیارت کی فضیلت و شرافت میں نقل فرمائے ہیں۔ صفحہ ۱۲۵-۱۳۰ پر اکیس ۲۱ آداب زیارت کا ذکر فرمایا ہے۔

انہوں نے صفحہ ۱۳۵-۱۴۰ پر تو عدد زیاراتِ مختصر و مفصل اور صلوات کی قسم کی چند دعائیں نقل فرما کر صاحبِ قبر کی فضیلتِ توسل اور آپ کی شفاعت کو ثابت کیا ہے۔ صفحہ ۱۴۶-۱۵۶ پر قبرِ مبارک سے برکت چاہنے کی فضیلت کی تشریح کی ہے کہ اپنے آپ کو قبرِ مبارک سے لپٹائیں، اپنے چہرہ کو خاکِ قبرِ اقدس پر ملیں اور اس کا بوسہ لیں۔ اس عمل کے ثبوت میں بھی روایت نقل کی ہے۔

صفحہ ۱۵۹ پر جنت البقیع کی قبورِ مقدسہ کی زیارت سے متعلق شرف کی تشریح فرمائی ہے اور شہدائے اُحد و آنحضرتؐ کے چچا حمزہؑ اور دیگر تمام شہداء کی زیارت کے استحباب کا ذکر کیا ہے۔

صفحہ ۱۶۶-۱۸۰ پر اللہ کے بندوں کی قبور کی زیارت کی فضیلت سے متعلق روایات نقل فرمائی ہیں۔ اور صفحہ ۱۷۰ پر زائر کے آداب کی تشریح کی ہے۔ اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

ارکانِ دین میں فضیلتِ زیارتِ آنحضرتؐ و آئمہ علیہم السلام کے متعلق روایات کا ذکر کیا ہے۔

بہترین روایت جو پڑھی جاتی ہے وہ زیارت شریف "جامعہ کبیرہ" ہے جس کو شیخ صدوقؒ نے کتاب شریف "من لایحضرہ الفقیہ" (شیعہ اہم و معتبر کتاب) اور کتاب "عیونِ اخبارِ حضرت رضاؑ" میں اسنادِ معتبر کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔ اس زیارت کو شیخ طوسی نے "تہذیب" میں اور محدث قمی نے "مفاتیح" میں درج فرمایا ہے۔ چنانچہ علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں: "متن و سند و فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بہترین زیارت جامعہ ہے۔" ان کے والد ماجد (یعنی مجلسی اوّل) "من لایحضرہ الفقیہ" کی شرح میں فرماتے ہیں: "یہ زیارت احسن و اکمل زیارات ہے۔ میں جب تک عتباتِ عالیات پر رہا آئمہ علیہم السلام کی زیارت میں فقط اسی زیارت کو پڑھتا تھا" اس کے بعد انہوں نے ایک حکایت نقل فرمائی ہے جس سے زیارتِ جامعہ کے بارے میں مزید تاکید و ترغیب ملتی ہے اس حکایت کو جو پڑھنا چاہے وہ "مفاتیح" اور "نجم الثاقب" کی طرف رجوع کرے۔ علامہ مجلسیؒ نے بحار میں اس زیارت کی نقل و تشریح کے بعد لکھا ہے کہ یہ زیارت سند و فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے صحیح ترین

(بقیہ حاشیہ) کے بعد زیارتِ قبور مومنین کی کیفیت درج کی ہے اور اس سے متعلق علماء کے اقوال روایات سمیت ذکر کئے ہیں۔ صفحہ ۱۸۴ پر ان قبروں کا شمار کیا ہے جو سزاوار زیارت ہیں۔ یہاں تک "الغدیر" کی روایات و اقوال ختم ہوئے۔

روایات و اقوال علمائے اہلِ سنت کو نقل کرنے میں ہمارا مقصد اس بات کا ثبوت مہیا کرنا ہے جو ہم نے بابِ زیارت میں عرض کی ہے۔ ہم پھر کہتے ہیں کہ یہ امر علمائے سنی و شیعہ میں مورد اتفاق ہے اور ہر صاحبِ عقل کا ضمیر اس کو تسلیم کرتا ہے۔

زیارات ہے۔ یہ زیارت لفظی و معنوی دونوں لحاظ سے بلند ترین ہے۔ اور اس سے درجاتِ معرفت طے کئے جا سکتے ہیں۔ نیز اس زیارت کو کفعمی نے "بلد الامین" میں نقل کیا ہے۔

حقیر مؤلف کہتا ہے کہ جیسا کہ آپ نے استادانِ فن کے اقوال میں سنا کہ اس زیارت کی اسناد بلند و صحیح ہیں۔ اگر ایسا نہ بھی ہو تب بھی زیارت کا متن شریف اس امر کو ثابت کرنے کے لئے کافی اور دلیل قاطع ہے کہ یہ زیارت صحیح ہے اور اس کا صدور معصوم علیہ السلام سے ہے، جن کا معارفِ قرآن کا عالم ہونا اور اہلِ بیت وحی میں شامل ہونا واضح و روشن بات ہے۔ نیز زیارت کے تمام مندرجات عالیہ روایات پر مبنی ہو گا اور اس کا شک اس کی جہالت کی دلیل ہے۔

برادرانِ محترم! یہ روایاتِ شریفہ جو زیارت کی فضیلت و شرافت و کیفیت میں مذکور ہوئی ہیں۔ قرآن پاک اور سنتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے موافقت رکھتی ہیں۔ خود آنحضرتؐ اپنے چچا حضرت حمزہ اور دیگر تمام شہدائے اُحد کی قبور کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کا حکم دیتے تھے۔ اسی لئے جناب سیدہ زہرا سلام اللہ علیہا حضرت حمزہ کی زیارت کے لئے اور دیگر مومنین قبورِ شہداء کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے۔ علمائے امت نے تحریر فرمایا ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حج آخر سے فارغ ہوئے تو ایک قبر کے قریب تشریف فرما ہوئے جو ویران ہو چکی تھی۔ حضرت نے اس قبر پر گریہ فرمایا۔ اصحاب کرام نے پوچھا کہ وہ قبر کس کی ہے۔ حضرت نے جواب دیا: "یہ قبر میری والدۂ گرامی حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کی ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے اس قبر کی زیارت کی اجازت لے کر درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت دے دی۔" اس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا:

میں نے تمہیں زیارتِ قبور سے منع کیا تھا۔ اب تم (نیک لوگوں کی) قبروں کی زیارت کے لئے جایا کرو۔ میں نے تمہیں قربانی کا گوشت ذخیرہ کرنے سے بھی منع کیا تھا۔ اب اس میں کوئی چیز مانع نہیں۔ اس گوشت کو ذخیرہ کر لیا کرو۔" [۱]

روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ صفوان جمال امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہمراہ نجفِ اشرف میں زیارتِ امیرالمؤمنین علیہ السلام کے لئے گئے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے چند درہم قبر امیرالمومنین علیہ السلام کی اصلاح کے لئے مرحمت فرمائے۔ یہ روایت "مفاتیح" میں مذکور ہے اور حقیر مؤلف نے بھی اپنی کتاب "مستدرک سفینہ" میں لفظ "قبر" کی لغت کے تحت تحریر کی ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آنحضرت نے اپنی والدہ گرامی کی قبر کی زیارت کی، اس کی مرمت کروائی، قبر پر بیٹھ کر گریہ فرمایا اور سب مسلمانوں نے بھی حضرت کے ساتھ گریہ کیا۔ [۲]

---

[۱] بحار طبع جدید جلد ۱۰، صفحہ ۴۴۱ پر شیخ مفید سے نقل کیا گیا ہے، علامہ امینی نے کتاب "الغدیر" طبع ۲، جلد ۵، صفحہ ۱۶۶ پر علمائے اہلِ سنت سے پچیس سے زیادہ روایات آنحضرت سے فضیلتِ زیارتِ قبور کے متعلق نقل ہوئی ہیں۔ اس سلسلہ میں خود اہلِ سنت سے نقل شدہ روایات بہت زیادہ ہیں۔ کتاب الغدیر جلد ۵ صفحہ ۱۶۶ - ۲۰۷ کی طرف رجوع کریں۔

[۲] بحار طبع جدید جلد ۱۵، صفحہ ۱۶۲ پر مذکور ہے کہ یہ بات واضحات میں سے ہے کہ حضرت امیرالمؤمنین اور آنحضرت کی اولاد سے آئمہ علیہم السلام آنحضرت کی اور اپنے سابقہ آئمہ کی قبور کی زیارت کیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی اصحاب کرام کو بھی زیارت کے لئے ساتھ لے جاتے تھے۔

قبور مومنین کی زیارت کے بارے میں قرآن پاک سے استفادہ ہوتا ہے۔ جہاں ارشاد ہوتا ہے: "ولا تصل علیٰ احد منھم مات ابداً ولا تقم علیٰ قبرہ ... الایۃ" [1] یعنی، جو کوئی بھی منافق مر جائے اس پر آپ نماز نہ پڑھیں اور اس کی قبر پر قیام نہ کریں۔ اس آیہ مبارکہ سے سمجھا جاسکتا ہے کہ مومن کی قبر پر قیام و دعا اور اس کے لئے طلب رحمت میں کوئی چیز مانع نہیں۔ یہ ممانعت منافقین کے لئے مخصوص ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کا عمل اس سلسلے میں جاری تھا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو منافقین کے لئے اس عمل سے منع فرمایا۔ اس کا اطلاق عمومی ہے۔ دفن کے وقت کے لئے ممانعت مخصوص نہیں، اور مومنین اس عمل میں اپنے پیغمبرؐ کی پیروی کرتے ہیں۔

لہذا اب جب کہ قبر مومن کی زیارت کی خوبی واضح ہوگئی تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ خود آنحضرتؐ اور آئمہؑ کی قبور کی زیارت بدرجہ اولیٰ احسن وافضل ہوگی۔ اسی طرح آنحضرتؐ وآئمہؑ پر سلام بھیجنا، ان کی مدح کرنا، ان بزرگوں کے مصائب کو یاد کرنا، ظالموں، قاتلوں اور ان مظالم وقتل پر خوش ہونے والوں پر لعنت کرنا، قرآن مجید کی پیروی ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مرسلین، بندگان نیک پسندیدہ اور ان لوگوں پر جنہوں نے حق کا اتباع کرکے ہدایت پائی، سلام بھیجا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: "سلام علی المرسلین وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ" اس کے علاوہ ایسی آیات سورہ "والصافات" وغیرہ میں مذکور ہیں۔

پھر سب مسلمانوں کو حکم ہوا کہ نماز ختم کرتے ہوئے آنحضرتؐ اور اللہ

---

[1] سورہ توبہ۔ آیت ۸۴

کے نیک بندوں پر سلام بھیجیں اور اللہ تعالےٰ نے قرآن کی آیاتِ مبارکہ میں نیک لوگوں اور مومنین کی تعریف کی ہے، اپنے پیغمبروں کے مصائب کو یاد فرمایا ہے۔ اور ظالمین و قاتلین پر لعنت کی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: "لعنۃ اللہ علی الظٰلمین" اور سورۂ نسار کی آیت ۹۶ میں مومنین کے قاتل پر لعنت کی ہے۔

اسی طرح آیاتِ قرآنِ پاک میں اس شخص کو ظلم و قتل میں شریک قرار دیا گیا ہے جو ظلم و قتل پر راضی ہو۔ مثلاً سورۂ قمر کی آیت ۳۰ میں ناقۂ صالح کو شہید کرنے پر ایک شخص کو ذمہ دار ٹھیرایا گیا ہے اور سورۂ والشمس کے آخر میں یہ ارشاد ہوتا ہے کہ سب اس میں شامل تھے کیونکہ سب اس پر راضی تھے۔ یہی حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

سورۂ آلِ عمران، آیہ ۱۸۳ میں اللہ تعالیٰ نے قتلِ پیغمبران کو ہمارے پیغمبر حضرت محمد ابن عبداللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ کے لوگوں سے نسبت دی ہے حالانکہ ان لوگوں اور قاتلوں کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ تھا۔ یہ اس لئے کہ یہ لوگ اُن لوگوں کے عمل قتل پہ راضی تھے۔ چونکہ یہ راضی تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو قاتل فرمایا۔ روایات میں اسی طرح آیا ہے (آیات اور روایات سے تشریعی استدلال "سفینہ" میں مختصراً اور "مستدرک سفینہ" میں لفظ "رضی" کی لغت کے تحت مفصل طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اُس طرف رجوع فرمائیں)۔

اللہ تعالےٰ نے سورۂ رعد آیت ۲۶ میں ان لوگوں پر لعنت کی ہے جنہوں نے قطع رحم کیا بلکہ جب کہ انہیں صلۂ رحم کا حکم دیا گیا تھا اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالےٰ نے تمام پیغمبروں، مرسلین اور

واضح ہے کہ آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دیا تھا، کیونکہ آئمہ" بالخصوص" آنحضرتؐ کی عترت اور اولاد ہیں۔ اس لئے بالخصوص طور پر ان کے ساتھ صلہ رحمی، احسان اور محبت کے سلوک کا حکم دیا جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے" قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربیٰ" یعنی، کہہ دیجئے (اے محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)، میں تم سے اپنی رسالت کا کوئی اجر نہیں مانگتا مگر یہ کہ میرے قرابت داروں کے ساتھ محبت و دوستی کا سلوک روا رکھو۔ پس ظاہر ہوا کہ اولادِ پیغمبرؐ کا قتل اور ان پر ظلم قطع رحمی اور احسان و محبت کے خلاف ہے اس لحاظ سے اولادِ رسولؐ پر ظلم کرنے والے مستحق لعنت ہو جاتے ہیں۔

یہی وجوہات ہیں کہ جب ہم عترتِ رسولؐ کی قبور مقدسہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں تو ان پر سلام کرتے، ان کی ستائش کرتے اور ان کے قاتلوں، ان پر ظلم کرنے والوں اور ان کے قتل و ظلم پر راضی ہونے والوں پر لعنت کرتے ہیں۔ جہاں تک پیغمبرؐ اور آئمہ کی تعظیم اور اُن کی قبورِ مقدس کی تعظیم کا تعلق ہے، ہم اس لئے ایسا کرتے ہیں، کہ اللہ تعالےٰ قرآنِ پاک میں اپنے پیغمبرؐ کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:" فالذین آمنوا و عزروہ و نصروہ..."الخ یعنی وہ لوگ جو پیغمبر پر ایمان لاتے، ان کی تعظیم اور مدد کرتے ہیں۔ وہی لوگ رستگار ہیں اس آیت سے تعظیم پیغمبرؐ کرنے والوں کی مدح ثابت ہوتی ہے۔ تعظیم جس میں نصرت شامل ہو ایک لازمی امر ہے۔ جس کو عقل والے تعظیم و تکریم و احترام و کمک سب پر مشتمل جانتے ہیں۔ اس لئے کہ اس سے یہی مطلوب ہے اور پسندیدہ بھی۔ اس سے اُس ہستی کی تعظیم کے پہلو کی ضرورت قرار پاتی ہے۔ جس کو اللہ تبارک

و تعالیٰ نے آیۂ مباہلہ میں نفسِ پیغمبرؐ فرمایا ہے۔
پھر یہ بھی ارشاد ہوا: "ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب۔" (سورۂ حج / ۳۲) یعنی، جو شخص اللہ تعالیٰ کی علامات کی تعظیم کرتا اور انہیں بزرگ جانتا ہے تو یہ امر اس کے دل میں آثارِ تقوےٰ و پرہیز گاری کو ظاہر کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ تقویٰ قلوب اعضاؑ و جوارح کی پرہیز گاری سے بالاتر اور زیادہ اہم ہے۔ لفظ "شعائر" "شعیرہ" کی جمع ہے جس کے معنی "علامت" ہیں۔ یہی معنی لغت و تفسیر کی کتب میں مذکور ہے۔ لہذا جب ان علامات کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری سے نسبت دی جاتی ہے تو یہ اللہ تعالےٰ کی بندگی و عظمت و جلال و علم و قدرت و کمال کی علامات بن جاتی ہیں۔
اللہ تعالےٰ کے شعائر میں قرآنِ مجید کے واضح حکم کے مطابق (والبدن جعلنٰھا لکم من شعائر اللہ۔ سورۂ حج) وہ اونٹ بھی شامل ہیں جن کو عید کے دن قربانی کے لئے منیٰ کی طرف لے جاتے ہیں جو اللہ تعالےٰ کی فرمانبرداری کی علامت ہے۔ یہ اس لئے کہ اُن قربانی کے اونٹوں کے مالک ان سے کمال درجہ کا تعلق رکھتے ہوئے ان کو اپنے معبود کی راہ میں قربانی کے لئے لے جارہے ہوتے ہیں اور یہی حق کی بندگی کی نشانی ہے۔
ان شعائر کی تعظیم کے محققین ہونے کی چند وجوہات ہیں۔ اوّل یہ کہ موٹا تازہ، عمدہ اور بڑا اونٹ قربانی کے لئے منتخب کیا جاتا ہے۔ جب کہ چھوٹے اور پست قد اونٹ پر بھی اکتفا کر سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس بات کا مکمل طور پر خیال رکھا جاتا ہے کہ قربانی کا اونٹ صحت و کمال کے معیار پر پورا ہو کیونکہ جتنی صفات بہتر ہوں گی۔ اتنی ہی قربانی کو عظمت و اہمیت ملے گی۔ تیسرے یہ کہ گوشت کو استعمال

کرتے وقت واجبات و مستحبات کا خیال رکھا جاتا ہے۔ چوتھے یہ کہ وقوفِ عرفات میں اونٹ کو اپنے ہمراہ لے جایا جانا چاہیئے۔

اسی طرح کوہ صفا و مروہ شعائر اللہ میں شامل ہیں۔۔۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:" ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ" سورہ بقرہ۔ یعنی یقیناً صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کے شعائر سے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کی تعظیم اور ان کو بزرگ جاننا اللہ تعالےٰ کی بدنی اور محلِ عبادت میں شامل ہے۔ یہاں ایک عقل والے انسان سے سوال کیا جا سکتا ہے کہ اگر شترِ قربانی و کوہ صفا و مروہ اللہ تعالیٰ کے شعائر ہیں تو کیا پیغمبرؐ و ائمہ کے وجود ہائے مقدس اور ان کی قبور شریفہ اللہ تعالیٰ کے شعائر نہیں؟ کیا شترِ قربانی اور کوہِ صفا و مروہ کی تعظیم تو، جس طرح پہلے عرض کیا گیا، اللہ تعالےٰ کو پسند اور اس کا مطلوب ہیں اور اللہ تعالےٰ کو عظیم ترین نشانیوں یعنی وجودِ پیغمبرؐ و آئمہ اور ان کی قبورِ مقدس کی تعظیم اس کو پسند اور اس کا مطلوب نہیں؟

حیف ہے اس شیعہ دروغ گو پر جو اپنے تشیّع کا دعویٰ کرتے ہوئے اونٹ کو تو اللہ تعالیٰ کے شعائر میں قرار دیتا ہے اور پیغمبرؐ و آئمہ کی مقدس قبور کو شعائرِ خدا سے تسلیم نہیں کرتا۔ نہ ان کی تعظیم کرتا اور نہ انہیں بزرگ جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورہ حج میں ارشاد فرماتا ہے۔" ومن یعظم حرمات اللہ فھو خیر لہ عند ربہ" یعنی، جو کوئی حرمت ہائے پروردگار کی تعظیم کرتا ہے (ان کو بزرگ جانتا ہے) تو یہ اس کے لئے اس کے پروردگار کے سامنے بہتر ہے۔ حُرمات پروردگار وہ چیزیں ہیں جن کا احترام واجب ہے اور ان کی ہتک حرام ہے اور وہ ایسی ہی ہیں جیسے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و آئمہ

علیہم السلام و قرآن و کعبہ و دین و مومن [1]
پیغمبر اکرمؐ اور آئمہ علیہم السلام کی قبورِ مقدس کو بوسہ دینا، حرم پاک کے در و دیوار اور قبر پر نصب ضریح کو چومنا، ان پر اپنی آنکھوں کو ملنا صاحب قبر کی تعظیم، اس مقام کے اشہاد اور اس سے محبت کے اظہار کی اقسام ہیں یہ بات صاحبانِ عقل پر واضح ہے کیونکہ اس تعظیم و تکریم و احترام پر شرعی اعتبار سے کوئی پابندی نہیں۔ یہ ایک امرِ عقلی و عرفی ہے اور اس طریقہ پر انجام دیا جا سکتا ہے۔ جس پر عقل و عرف تعظیم و تکریم و احترام کو پسند کریں۔ اس کی مثال قرآن پاک کا احترام ہے۔ قرآن کی تعظیم و احترام ہر طریقہ پر ایک عمل پسندیدہ ہے۔ بکری کی کھال قرآن کی جلد بن کر قابلِ احترام ہو جاتی ہے۔ قرآن کی جلد بننے سے پہلے ذرہ برابر اس کا

---

[1] کافی و کتب صدوق کے مطابق صریح روایات دلالت کرتی ہیں کہ یہ چھ چیزیں حرمات میں شمار ہوتی ہیں۔ چنانچہ بحار کمپانی جلد ۲، صفحہ ۱۲۸، ۱۲۹ امستدرک سفینہ میں لفظ "حرم" کی لغت کے تحت یہی مذکور ہے۔ بہت سی روایات میں ہے کہ مومن کی حرمت کعبہ کی حرمت و بزرگی سے بڑھ کر ہے (یہ روایات بحار اور مستدرک سفینہ میں لفظ "امن" کی لغت کے تحت درج ہیں) جب مومن کی حالت یہ ہے تو امیر و رئیسِ مومنین کی کیفیت کیا ہوگی اور بعد موت مومن کا احترام اس کی حیات کے احترام جیسا ہی ہے۔ یہی حضرت سید الشہداء علیہ السلام کا فرمان ہے اور اس بات کو شیخ کلینی نے کافی میں اور دوسرے لوگوں نے بھی نقل کیا ہے نیز مستدرک سفینہ میں لفظ "عظم" کی لغت کے تحت فضیلت و تعظیم اہلبیت و پیغمبر و آئمہ و علماء، سادات و اسمائے پروردگار (ایسے الفاظ جیسے اللہ، رحمٰن و تکوینی اسمار محمدؐ اور ان کی آلِ پاک)، کا مدارک کے ساتھ مفصل ذکر ہوا ہے اس طرف رجوع کریں۔

احترام کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کی جوتیاں بنتی ہیں۔ اس کو کثیف و نجس مقامات پر بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اور اس میں اس چمڑے کی کوئی توہین نہیں ہوتی۔ البتہ اسی کھال کو پاک و صاف کر کے قرآن کی جلد میں استعمال کر لیا جائے تو یہ قابلِ احترام ہو جائے گی مسلمان اس کو چومتے ہیں، اس کو پاک و پاکیزہ مقام پر رکھتے ہیں۔ اور اس کو کپڑے میں لپیٹ دیتے ہیں۔ یہ تمام عمل احترامِ قرآن ہے نہ کہ بکری کی کھال کا احترام۔ یہ احترام اس کے کلامِ پروردگار کے ساتھ لگ جانے کی وجہ سے ہے۔ اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی چیز کا مقام ظاہری اس کے اعضاء و جوارح کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور جس قدر تعلق و محبت اس چیز سے ہوتی ہے اتنی ہی اس کے اُن آثارِ ظاہری سے ہونے لگتی ہے۔ کبھی اظہارِ محبت آنکھ سے ہوتا ہے کہ اس محبوب چیز کو محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ کبھی سر سے ہوتا ہے جس کو جھکا کر تعظیم کرتے ہیں۔ اسی طرح محبت کا اظہار اور تعظیم و تکریم و احترام کا مظاہرہ محبوب کے دست و پا کو چوم کر کیا جاتا ہے۔ جب محبوب کے ہاتھ اور پاؤں تک رسائی ممکن نہیں ہوتی تو اس کے خط، اس کے گھر کی دیواروں، اس کی سواری کے گھوڑے کے سموں کو بوسہ دیتے ہیں۔ کبھی اس لکڑی کو چومتے ہیں جو مطلوبہ مقام سے ملی ہوتی ہے۔ یہ سب باتیں اور عمل اپنے مطلوب و محبوب کے ساتھ اظہارِ محبت کے مختلف طریقے کہلاتے ہیں۔

چونکہ اب پیغمبرؐ و آئمہ علیہم السلام کے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دینے کے امکانات نہیں ہیں اس لئے اُن کے حرم محترم کے در و دیوار اور ضریح مقدس ہی کو چومتے ہیں۔

شاعرِ عرب (مجنوں عامری) کہتا ہے: امرّ علی الدیار دیار لیلیٰ

اقبل ذا الجدار و ذا الجدارا و ما حب الدیار شغفن قلبی ولکن حب من سکن الدیارا" یعنی "جب میں مکانوں سے گزرتا ہوں تو لیلیٰ کے گھر کو چومتا ہوں، کبھی اس دیوار کو کبھی اس دیوار کو۔ ان گھروں اور دیواروں نے میرے دل کو نہیں لوٹا بلکہ اس کی محبت و دوستی نے میرے قلب کو لوٹا ہے جو ان گھروں میں رہتی ہے۔ اسی لئے محبت کے اثر میں ان دیواروں کو چومتا ہوں۔"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بسند صحیح منقول ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جب اپنے فرزند اسماعیل علیہ السلام کو ملنے کے لئے مکہ معظمہ تشریف لائے تو حضرت سارہ نے ان سے وعدہ لیا تھا کہ وہ اپنے گھوڑے سے نہیں اتریں گے۔ انہوں نے دیکھا کہ حضرت اسمٰعیلؑ مکہ میں نہیں ہیں۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی زوجہ محترمہ حضرت ابراہیمؑ کے استقبال میں پانی اور ایک پتھر لے کر خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں اس پتھر پر آئے اور زوجۂ حضرت اسمٰعیلؑ نے ان کا سر دھلوایا۔ اس کے بعد اللہ کے خلیلؑ اپنے گھر واپس تشریف لے گئے۔ جب حضرت اسمٰعیلؑ واپس آئے اور انہیں اپنے پدر بزرگوار کی آمد کا علم ہوا تو اپنے آپ کو اس پتھر پر لٹا دیا اور اس کو چومنے لگے۔[1] اس سے واضح ہوا کہ اگر حضرت اسمٰعیلؑ کو اپنے پدر بزرگوار سے ملاقات کا موقعہ ملتا تو ان کے دست و پا کا ضرور بوسہ لیتے۔ چونکہ یہ خدمت انہیں میسر نہ ہوئی لہذا اپنے پدر عالی مقدار سے گہرے تعلق اور محبت کی وجہ سے اس مقام کو چومتے تھے جہاں حضرت ابراہیمؑ کے قدوم مبارک آئے تھے۔ بالکل اسی

---

[1] بحار کمپانی جلد ۵ صفحہ ۱۴۳ و طبع جدید جلد ۱۲، صفحہ ۱۱۲ پر شیخ صدوق کی کتاب قصص الانبیاء سے منقول ہوا۔

طرح جیسے ایک پدرِ مہربان اپنے بیٹے کے ساتھ ازدیادِ تعلق و محبت کے باعث اس کے لباس و جوتی کو چومنے لگتا ہے۔

اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والدِ بزرگوار حضرت یعقوب علیہ السلام کے نامۂ مبارک کو چومتے تھے۔[1] یہ اُن کی اپنے پدرِ بزرگوار سے محبت کا اثر تھا کہ ان کے خط کو جو ان کے اپنے ہاتھ سے لکھا گیا تھا، بوسے دیتے تھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسولِ خُدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اونٹ پر سوار ہو کر خانہ کعبہ کا طواف فرمایا اور اپنے عصا کو خانہ کعبہ کے ارکان پر ملا۔ پھر حضرت اس عصا کو چوما کرتے تھے۔[2]

ایک روایت صحیح میں وارد ہوتا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب آپ زیارتِ قبر آنحضرتؐ سے فارغ ہوں تو آنحضرتؐ کے منبر کے قریب آکر اپنے ہاتھ منبر پر ملیں اور منبر کے نچلے حصہ پر دو قبوں پر، جو انار کی شکل کے ہیں، اپنے منہ اور آنکھیں ملیں کیونکہ اس عمل میں آنکھوں کے لئے شفا ہے۔۔۔۔ ا ھ[3] معلوم ہونا چاہیے

---

[1] بحار جدید جلد ۱۲، صفحہ ۲۸۸ پر صدوق سے اور صفحہ ۳۱۴ پر تفسیر عیاشی سے یہ روایت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہوئی۔ شیخ طبرسی نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے۔

[2] اس روایت کو کتاب کافی میں سند صحیح کے ساتھ، شیخ صدوق نے کتاب فقیہ میں ایک اور سند سے نقل کیا ہے۔ اسی روایت کی وجہ سے مجتہدین نے اجازت دی ہے کہ حاجی سوار ہو کر بھی طواف کر سکتے ہیں۔

[3] اس روایت کو ثقۃ الاسلام کلینی نے کافی میں دو سند صحیح (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

کہ اس مقام پر آنحضرتؐ اپنے دونوں ہاتھ رکھتے تھے۔ اب چونکہ آنحضرتؐ تک پہنچنا ممکن نہیں اس لئے حضرتؐ کے ہاتھ لگانے کی جگہ کو چومتے ہیں اور چہرہ اور آنکھیں اس مقام پر ملتے ہیں۔

جناب سیدہ زہرا سلام اللہ علیہا بعد از وفات پیغمبرؐ آنحضرتؐ کے پیرہن کو حضرت امیرالمومنینؑ سے لیتی تھیں۔ اس کو سونگھتی تھیں اور گریہ فرماتی تھیں [۱]

ایک روز حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام عصائے پیغمبرؐ لے کر اپنے خانۂ اقدس سے باہر تشریف لائے۔ حضرت ابوحنیفہ نے دیکھا تو عرض کیا: "یا ابن رسول اللہؐ! کیا آپ عصا کے سہارے چلنے لگے ہیں؟" حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "یہ عصائے پیغمبرؐ ہے میں اس کو بطور تبرک اٹھا کر لایا ہوں۔" یہ سن کر جناب امام ابوحنیفہ اپنے مقام سے اچھل کر اٹھے اور اس عصا کا بوسہ لینا چاہا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے دستِ مبارک کو برہنہ کیا اور فرمایا: "خدا کی قسم میرا یہ ہاتھ جسم پیغمبرؐ کا حصہ ہے۔ تو اس کو نہیں چومتا بلکہ عصا کو چومتا ہے (جو صرف ایک لکڑی ہے) [۲]

(بقیہ حاشیہ) سے، شیخ طوسی نے تہذیب و مصباح میں، شیخ صدوق نے کتاب "من لا یحضرہ" (تینوں معتبر و اہم ترین کتب شیعہ ہیں) میں نقل فرمایا ہے۔

[۱] یہ روایت بحار کمپانی جلد ۱۰، صفحہ ۴۵ اور جلد ۴۳، صفحہ ۱۵۷ پر مذکور ہے۔

[۲] بحار کمپانی جلد ۱۱، صفحہ ۱۲۳ پر مناقب ابن شہر آشوب سے نقل ہوئی۔ عصا کو تبرک کے طور پر استعمال کرنا صاحب عصا کے ساتھ عقیدت کا مظہر ہے اور یہی کیفیت عصا کو چومنے کی ہے۔ لیکن چونکہ جناب ابوحنیفہ سے جو پیغمبرؐ و امام کے خلاف تھے اس لئے امام نے فرمایا کہ اگر تو سچ کہتا ہے تو میرے ہاتھ کا چومنا عصا کو چومنے سے افضل ہے۔

اسی طرح گزشتہ صفحات میں عرض کیا جا چکا ہے کہ ناحیۂ مقدسہ کے وکیل قاسم بن علائی ہمدانی نامۂ مبارکِ امام زمانہ علیہ السلام کو چومتے تھے۔

ایک ترک شخص حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا، اپنے گھوڑے سے اترا اور امامؑ کے گھوڑے کے سُموں کو چوما۔ امامؑ نے اس کو منع نہ فرمایا۔ یہ عمل تعلق و محبت کی علامت ہے۔[1]

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کے بعد کچھ شیعہ جب امام زمانہ علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور انہیں حق معلوم ہوا تو زمین پر گر کر سجدۂ شکر بجا لائے۔ آنحضرتؑ کے سامنے انہوں نے زمینِ ادب کو بوسہ دیا اور حضرت نے زمین کو چومنے کو منع نہیں فرمایا۔[2]

جہاں تک صاحبِ قبر سے شفاعت کا تعلق ہے۔ جاننا چاہیے کہ چونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اللہ کے نزدیک برگزیدہ و عزیز ہیں۔ آنحضرتؐ کی برکت سے اللہ تعالےٰ نے ان کی امت سے عذاب اٹھا لیا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: "وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم" (اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نہیں فرمائے گا جب کہ تم ان کے درمیان ہو)

اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے جب حضرت یوسف

---

[1] بحار کمپانی جلد ۱۲، صفحہ ۱۲۸ پر طبرسی کی کتاب اعلام الوریٰ اور مناقب ابن شہر آشوب سے منقول ہوا۔

[2] اس روایت کی تفصیل شیخ صدوق کی کتاب "کمال الدین" اور بحار جلد ۱۳ و کتاب معاشرۃ مزوار میں ہے۔ مؤلف نے اپنی کتاب مستدرک سفینہ میں لفظ "تقبیل" کی لغت کے موارد سے قبل اور لفظ "عظم" کی لغت کے مواردِ تعظیم میں اس کی تشریح کی ہے۔

علیہ السلام پر ظلم کیا تو اس کے بعد انہوں نے اپنے پدر بزرگوار سے عرض کیا: "اے ہمارے پدر بزرگوار! ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے طلبِ مغفرت فرمائیں" حضرت یعقوب علیہ السلام نے قبول فرمایا، ان کی شفاعت کی اور ان کے لئے مغفرت طلب فرمائی جیسا کہ سورۂ یوسف آیت ۹۹ اور ۱۰۰ میں مذکور ہے۔

ہمارے پیغمبرؐ تمام انبیاء سے افضل و اشرف ہیں۔ آن کے بارے میں خداوند تعالیٰ فرماتا ہے: "ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاءُ ک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول ....." (سورۂ نساء/ ۶۴) یعنی اگر لوگ اپنے آپ پر ظلم کریں اور نافرمانی کرکے آپ کے پاس آکر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں اور رسول (آپ) بھی ان کے لئے طلب مغفرت کریں تو وہ اللہ تعالیٰ کو ہر طرح مغفرت کرنے والا مہربان پائیں گے" اسی طرح سورہ منافقین کی آیت ششم سے استفادہ ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کی طرف سے شفاعت اور آپ کی طرف سے خالق جن و بشر سے طلب مغفرت مومنین کے درمیان ایک امر متعارف و مسلّم تھا۔ البتہ منافقین اس کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔

جاننا چاہیئے کہ آنحضرتؐ کے وجود کی برکات و مہربانی و رأفت و رحمت و فضائل و مناقب آپ کے اس خاندان دنیا سے خانۂ آخرت و جوارِ رحمت پروردگار کی طرف انتقال فرمالینے سے منقطع اور کم نہیں ہوئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو اپنی مخلوق پر شاہد قرار دیا ہے اور خلائق کے تمام اعمال کا قیامت کے دن تک ملاحظہ و مشاہدہ فرمائیں گے۔ (جیسا کہ قبل ازیں بیان ہو چکا ہے) نیز آنحضرتؐ خود اور آپ کے خلفاءؑ خالق و مخلوق کے درمیان وسیلہ اور اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ تکوینی ہیں۔ جس کی ہم سابق میں تشریح کر چکے ہیں۔

لہذا اگر ہم آنحضرتؐ اور آئمہ علیہم السلام کو اپنا وسیلہ و شفیع قرار دیں اور اللہ تعالیٰ کو ان اسمائے حسنیٰ کے ذریعہ پکاریں تو ہم اس طرح اطاعت امیر پروردگارِ عالم کریں گے اور ہم امیدوار ہیں کہ پروردگارِ عالم ہمیں اپنے فضل و کرم سے نا امید نہیں فرمائے گا۔

آنحضرتؐ اور آئمہ کی شفاعت اور اللہ تعالیٰ کے حضور ان حضرات کا وسیلہ بالکل ایسا ہی ہے جس طرح رعیت کے افراد دنیوی بادشاہوں کے لئے سفارش و وسیلہ تلاش کرتے ہیں لیکن یہ سفارش یا واسطہ یا وسیلہ کسی حالت میں بھی بادشاہ کی سلطنت میں شریک قرار نہیں پاتے۔ چونکہ یہ لوگ بادشاہ کے عزیز و قریب ہوتے ہیں۔ اس لئے حاجت مند یا مجرم ان سے متوسل ہوتے ہیں تاکہ ان لوگوں کی سفارش سے ان کی حاجت پوری ہو جائے یا ان کا جرم معاف ہو جائے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ محتاج یا مجرم بادشاہ کو اس کے ماں باپ یا بھائی یا عزیز فرزند کی قسم دیتے ہیں تاکہ اپنے مقصد کو پہنچ پائیں، یا بادشاہ کو اس کے باپ کی پاک روح یا اس کی قبر عزیز کی خاک کی قسم دیتے ہیں تاکہ اس کے نتیجہ میں اپنی مراد کو پاسکیں۔

عالم جلیل ابن شہر آشوب نے "مناقب" کی فصل "مکارمِ اخلاقِ حسن و حسین علیہما السلام" میں روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانۂ حیات میں کسی شخص نے کوئی گناہ و تقصیر کی اور آنحضرتؐ کے مؤاخذہ کے خوف سے غائب ہو گیا۔ ایک دن اس نے کسی جگہ حضرات حسن و حسین علیہما السلام کو، جو آنحضرت کو بہت عزیز تھے دیکھا۔ آنحضرت کے ان دونوں نورہائے چشم کو اپنے شانہ پر سوار کیا اور اس حالت میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: "یا رسول اللہ! میں اللہ تعالیٰ اور آپ کے ان دو فرزندانِ عزیز کے وسیلہ سے آپ

کی پناہ میں حاضر ہوا ہوں۔ مجھے بخش دیجئے"۔
آنحضرت بہت خوش ہوئے۔ حضرت نے خندہ فرمایا، اپنے دہن مبارک پر دستِ اقدس پھیرا اور فرمایا: "اے شخص تو آزاد ہے، میں نے تجھے معاف کیا" پھر اپنے دونوں نور ہائے دیدہ سے فرمایا: میں نے تمہیں اس کا شفیع قرار دیا اور تمہاری شفاعت کو قبول کیا"۔ اس پر آیۂ مبارکہ "ولو انهم ان ظلموا انفسهم.....الخ نازل ہوئی۔
اس روایت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قبر مبارکۂ معصوم پر پناہ لینا صاحب قبر کی شفاعت حاصل کرنے کے مترادف ہے۔
فرشتہ فطرس نے الطاف و رحمتِ پروردگار کے حصول اور اپنے مقام اصلی پر واپس آنے کے لئے اپنے جسم کو گہوارہ امام حسین علیہ السلام سے ملا اور آن کی پناہ چاہی۔ اور اس طرح وہ موردِ لطف و عنایتِ پروردگارِ عالم بنا، رحمتِ الٰہی اس کے شاملِ حال ہوئی اور اپنے مقامِ بلند پر واپس آگیا۔ (یہ واقعہ روزِ سوم شعبان کی دعا میں بذریعہ توقیع امامِ زمانہ علیہ السلام درج ہوا ہے۔ اور شیخ طوسی و دیگر علماء نے اس واقعہ کو امام حسین علیہ السلام کی کیفیتِ ولادت و معجزات میں ذکر کیا ہے)
پس جس طرح فرشتہ فطرس نے گہوارۂ امام حسین علیہ السلام کی پناہ لی اور اپنے آپ کو اس مقدس گہوارہ سے مس کیا، ہم بھی اسی طرح پیغمبرؐ اور اپنے ائمہ علیہم السلام کی قبورِ مقدس کی پناہ لیتے ہیں۔ اپنے جسم کو ان کی قبور اور ضریح ہائے مقدس سے ملتے ہیں اور خداوند عالم سے بخشش و لطف و رحمت کی درخواست کرتے ہیں۔ جیسا کہ اس دعا میں مذکور ہے۔
اگر کوئی شخص یہ خیال کرتا ہے کہ یہ شفاعت و توسل اُن حضرات کے زمانۂ حیات سے مخصوص ہے اور بعد وفات وہ جنت کی نعمات سے مستفید ہوتے ہوئے احوالِ مومنین کی کوئی خبر نہیں رکھتے نہ کوئی کام

اُن کے لئے کر سکتے ہیں تو ہم یہ جواب دیں گے کہ اُس کا یہ خیال فاسد ہے۔ کیونکہ پروردگارِ عالم خدمت و نصرتِ آنحضرتؐ میں شہید ہونے والوں کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے: "احیاء عند ربھم یرزقون فرحین... تا آخرِ آیہ"۔ سورہ آلِ عمران / ۱۶۹)۔ یعنی "یہ نہ سمجھو کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہو گئے وہ مُردہ ہیں۔ بلکہ وہ درحقیقت زندہ ہیں، پروردگارِ آسمان و زمین سے رزق حاصل کرتے ہیں۔ وہ اُس (انعام) پر خوش ہیں۔ جو خداوندِ عالم نے اپنے فضل و کرم سے انہیں مرحمت فرمایا ہے، ان افرادِ مومنین کے بارے میں شادمان ہیں جو ابھی ان سے ملے نہیں، وہ چاہیں گے کہ ان مومنین کے لئے کوئی خوف و اندوہ نہ ہو گا اور وہ نعمت و فضلِ پروردگار پر شادمان ہیں...الخ"

شہدائے مومنین کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی موت کے بعد مومنین دنیا کے حالات سے آگاہ ہوتے ہیں، ان کے وجود پر شادمان ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مومنین کے لئے کسی طرح کا خوف و اندوہ نہ ہو گا۔ اسی سے مقامِ پیغمبرؐ و امیر المومنین اور آئمہ علیہم السلام کا اندازہ ہو جائے گا جن کی برکت سے یہ مومنین اس مقام تک پہنچے ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم امت کی آواز کو سنتے ہیں، ان کے کلام کو سمجھتے ہیں، افرادِ امت کے تمام گفتار و کردار کو دیکھتے ہیں اور ان کو جانتے ہیں جیسا کہ سورہ برأت کی آیت، ۱۰۵ میں صراحت سے ارشاد ہوتا ہے جس کی تشریح ہم سابق میں کر آئے ہیں۔

اگر رسول افرادِ امت کے بارے میں سب کچھ نہ جانتے ہوں تو اس نہ جاننے کی حالت میں کس طرح ان پر گواہی دے سکیں گے حالانکہ قرآن کی صریح آیات کے مطابق آنحضرتؐ شاہدِ خلق ہیں اور روزِ قیامت ہر بات کی شہادت دیں گے۔ اسی طرح جیسا کہ پہلے بیان ہوا آئمہ

علیہم السلام بھی مخلوقِ خدا پر گواہ ہیں۔ لہذا آنحضرت اور آئمہ علیہم السلام تمام مخلوقِ خدا کو دیکھتے ہیں، ان کے حالات پر مطلع ہیں اور لوگوں کی گفتار و کردار کا مشاہدہ فرماتے ہیں۔ یہی وہ ہستیاں ہیں جن پر شب ہائے قدر میں ملائکہ و روح (جو ملائکہ میں سب سے بزرگ ہیں) نازل ہوتے ہیں اور تمام واقعات کو جو سال بھر میں ہونے ہوتے ہیں، ان کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اس کی تشریح سابق میں گزر چکی ہے۔

یہ بھی جاننا چاہیئے کہ جناب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آئمہ علیہم السلام جن کو اللہ تعالیٰ نے نائب پیغمبر اور نفسِ رسول قرار دیا ہے، کی قبور و مزارات کی تعمیر صاحب قبر سے عمیق تعلق اور محبت کا مظہر ہے۔ جو کوئی ان کے دوستوں کو جتنا زیادہ دوست رکھتا ہوگا۔ اسی نسبت سے اس کی محبت کا معیار بھی بلند ہوگا۔ جس قدر ان کی اہمیت وعظمت وجلال کا کوئی قائل ہوگا اسی قدر اُن کے وجود کے یاد رکھنے کے لئے بہتر سے بہتر آثار ان کی یاد میں قائم کرے گا۔ یہ اصول عقل والوں پر آفتاب کی طرح روشن ہے۔

جب کسی کا کوئی عزیز اس سے بچھڑ جاتا ہے تو وہ بچھڑنے والے کے فراق میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پھر جب تک ان پس ماندگان کے دل میں جانے والے کی محبت تازہ ہوتی ہے تو اُن کے دل میں اس کی محبت اور اس سے تعلق کا جوش موجزن رہتا ہے۔ وہ اس عرصہ میں زیادہ سے زیادہ اس کی قبر پر آتے، قبر کے آثار مستقل طور پر قائم کرنے اور قبر پر عمارتیں بنوا دیتے ہیں۔ پھر وہ قبر پر آکر اپنے پچھڑے کو ملتے، گریہ کرتے اور اس کو یاد رکھنے کے مستقل آثار بنواتے ہیں۔ جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے۔ قبر والے کے ساتھ محبت و تعلق کم ہوتا جاتا ہے۔ قبر پر عزیزوں کی آمد و رفت کم ہوتی جاتی

ہے اور جب دوسری یا تیسری نسل کی نوبت آتی ہے تو قبر منہدم بھی ہو جاتی ہے اور صاحبِ قبر کے نام وغیرہ باقی نہیں رہتے۔ اسی لئے بہت سے لوگ اپنے اجداد اور پھر اُن کے اجداد کے ناموں سے واقف نہیں ہوتے۔ عام لوگوں کا دنیا بھر میں یہی حال ہے سوائے اس شخص کے جس کی یاد کے لئے اس کے آثار کا قائم کرنا لازم سمجھا جائے۔

اس کے برعکس اگر صاحبِ قبر کے آثارِ علم وکمال اور اس کے مناقب وفضائل عام لوگوں سے ماوراء ہوں تو اس سے تعلق رکھنے والے اور اس کے دوست یہ کبھی برداشت نہیں کرتے کہ ایسے شخص کا نام اور عمل بوسیدہ ہو جائے۔ وہ ایسے صاحبِ قبر کی یاد کو تازہ رکھنے کے وسائل میں ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں۔ اس کی ہر طرح سے تجلیل و تعظیم و احترام کرتے ہیں۔ اسی اثر کے تحت وہ قبر پر عمارتیں بناتے، چراغ جلاتے اور خادم مقرر کرتے ہیں اور اس کی زیارت کو زیادہ سے زیادہ مواقع پر جاتے رہتے ہیں۔

اسی طرح اور اسی نسبت سے اس ہستی کا مقام ہوگا جو تمام مخلوقاتِ عالم میں سب سے زیادہ اعلم واکمل وافضل واشرف ہو، اسے پروردگارِ عالم نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے بھیجا ہو، قرآن مجید جو تمام کتبِ آسمانی میں سب سے زیادہ افضل واشرف ہو، اس پر نازل ہوا ہو۔ اللہ نے اُس سے وعدہ کیا ہو کہ اس کا دین دنیا سے ہرگز ناپید نہ ہوگا، اس کے تابعین کی تعداد ہمیشہ ترقی پر رہی ہو اور بڑھتی جائے، قرآن اور اس کے قوانین وفرائض واحکام آفتاب وماہتاب کی طرح دنیا میں جاری ہوں اور اس کا کوئی حکم بغیر عمل کے چھوڑ دیا جائے۔ قرآن مجید میں واضح اور صریح الفاظ میں اُس ہستی کی محبت اور

اس سے تعلق کو واجب قرار دیا گیا ہے اور ان لوگوں کے لئے وعید فرمائی ہے جو اپنے پدر و مادر و فرزند و اموال کو خدا و پیغمبرؐ پر ترجیح دیتے ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے جتنی زیادہ محبت، ان سے جتنا گہرا تعلق اور ان کی جتنی معرفت رکھتا ہے اسی قدر وہ آنحضرتؐ کی تجلیل و تعظیم و احترام کا معتقد ہو گا۔ وہ حضرت کے آثارِ مزار اور آنحضرتؐ سے اپنے علاقۂ قلب کو زیادہ سے زیادہ ظاہر کرے گا اور کرتا رہے گا۔

آنحضرتؐ کی زیارت و تعظیم و تجلیل تمام مسلمان پر واجب ہے اور واجب رہے گی۔ اس میں کسی طرح انقطاع واقع نہیں ہو سکتا اور نہ کبھی ہو گا۔ یہ بات اس امر پر موقوف ہے کہ آنحضرتؐ کے حرم میں آپ کی قبر اطہر پہ تمام عمارات کو باقی و قائم رکھا جائے جو صاحبِ قبر کی تجلیل و تعظیم کے لئے لازمی ہے۔ جذبۂ محبت کے بالکل برعکس و خلاف ہو گا اگر اس بات کو کوئی شخص سبک جانے، ان کو کوئی اہمیت نہ دے، آپؐ کی قبر مبارک کو تعمیر نہ کرے اور اس پر آثار و علاماتِ صاحبِ قبر قائم نہ کرے۔

جو کچھ مندرجہ بالا سطور میں ہم نے آنحضرتؐ کے بارے میں ثابت کیا ہے وہی سب کچھ گیارہ آئمہ علیہم السلام کی قبور مقدسہ کے بارے میں بھی ثابت ہو گا۔ کیونکہ لاکھوں کی تعداد میں شیعہ مذہب رکھنے والے آیات و روایاتِ متواترہ کی دلیل پہ اُن آئمہ معصومین کو جانِ پیغمبرؐ مانتے ہیں اور اُن بارہ خلفائے آنحضرتؐ کو آنحضرتؐ کے فضائل و مناقب میں شامل جانتے ہیں۔ لہٰذا ان سے تعلق اور ان کی محبت کے اظہار کے لئے اُن معصومین کی قبور مطہرہ کی تجلیل و

تعمیر ہمیشہ جاری رہے گی۔

لہذا ہم یقیناً اس آیۂ مبارکہ سے استدلال کر سکتے ہیں جس میں ارشاد ہوتا ہے: "قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ" (اے پیغمبرؐ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اپنی رسالت کا کوئی اجر نہیں مانگتا مگر یہ کہ میرے اقرباء سے مودت و محبت کرو)۔ پس ہم وثوق سے دعویٰ کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی عترت سے مودت و محبت ہی آپ کا اجرِ رسالت ہے اور یہ مودت تمام مسلمانوں پر واجب ہے۔ ان آثارِ محبت میں ان معصومین علیہم السلام کی قبورِ مقدسہ کی تجلیل و تعظیم و تعمیر اور ان کی زیارت شامل ہیں اس عمل کے لئے ضروری ہے کہ ان قبورِ مقدس کے آثار کو باقی رکھا جائے، اگر خراب ہو جائیں تو انہیں دوبارہ تعمیر کیا جائے۔ یہ عمل زیارات و دعا و طلبِ مغفرت کا مقدمہ ہے۔ جو قبر مبارک کے قریب کیا جاتا ہے اور مستحب ہے، مقدمۂ مستحب بھی مستحب ہی ہوتا ہے۔ یہ بات عقل کے عین مطابق ہے۔ اسی طرح عملِ واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے۔ اسی لئے خانۂ کعبہ اگر خراب ہو جائے تو اس کی تعمیر واجب ہے کیونکہ اس کا طواف واجب ہے۔

قبورِ مقدسہ پر حرم اور بارگاہ تعمیر کرنے کی دوسری دلیل سورۂ نور کی اس آیۂ شریفہ سے ملتی ہے: "فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیھا اسمہ" (وہ گھر جن کے لئے اللہ تعالےٰ نے حکم دیا ہے کہ وہ بلند و بارفعت ہوں اور ان میں اسم پروردگار کا ذکر ہو) یہ گھر مساجد کے علاوہ ہیں۔ گھر اس عمارت کو کہتے ہیں جس کی دیواریں اور چھت ہو۔ قرآن پاک کی دیگر آیات سے

یہی معنی لفظ "بیت" کے نکلتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:
"لیس البر بان تاتوا البیوت من ظهورها" (یہ بات صحیح نہیں کہ گھر میں گھر کی پچھلی چھت کی طرف سے داخل ہو بلکہ گھر میں اس کے دروازہ سے داخل ہو۔ اسی طرح سورۂ زخرف آیہ ۳۳ میں ارشاد ہوتا ہے کہ اگر مومنین کو خطرہ نہ ہوتا تو ہم کفار کے گھروں کی چھتیں چاندی کی بنوا دیتے۔ اس سلسلہ میں بعض علماء کا قول ہے کہ قرآن میں مسجد کے لئے لفظِ بیت کبھی استعمال ہوا ہی نہیں۔ چونکہ کعبۂ مکرمہ کی چھت ہے اس لئے قرآن میں کعبہ کے لئے بیت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: "جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام" یا "ولیطوفوا بالبیت العتیق"۔

اس سے ثابت ہوا کہ یہ اُن گھروں کا ذکر ہے جو مساجد نہیں ہیں اور انبیاء و مرسلین کے گھر یقینی طور پر ان آیات کے موارد میں داخل ہیں۔ ان گھروں میں سب سے افضل گھر ہمارے پیغمبرؐ کا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس گھر میں رہنے والوں کو مخصوص قسم کی شرافت و عنایات سے مشرف فرمایا ہے اور آیۂ تطہیر اس گھر کے مکینوں (محمد و علی و فاطمہ و حسن و حسین صلوات اللہ علیہم اجمعین) کی طہارت و پاکیزگی پر شاہد ہے۔

جب آیۂ مبارکہ "فی بیوت اذن اللہ ان ترفع" نازل ہوئی تو لوگوں نے آنحضرتؐ سے پوچھا اس سے کیا مراد ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا" اس سے خانہ ہائے پیغمبران مراد ہے"۔

حضرت ابوبکر نے خانۂ علیؑ و فاطمہؑ کی طرف اشارہ کر کے عرض کیا: "یا رسولؐ اللہ! کیا یہ گھر بھی اُن گھروں میں شامل ہے؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "اُن تمام گھروں سے بہترین ہے، یہ

گھر"۔ [1]

زیارتِ جامعہ کبیرہ میں، جو زیارات میں بہترین ہے، جیسا کہ سابق میں گزر چکا ہے، امام علیؑ نقی علیہ السلام نے زیارت آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کے بارے میں فرمایا ہے: "من علینا بکم فجعلکم فی بیوت اذن اللہ ان ترفع..." یعنی اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا اور عترتِ پیغمبرؐ کو ان گھروں میں سے قرار دیا کہ جن کے متعلق اس نے حکم دیا ہے کہ یہ گھر رفیع ہیں، یا رفعت و جلال کے مالک ہیں۔

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ آنحضرتؐ اور آئمہ ہدیٰ کے خانہ ہائے مقدس بہترین گھر ہیں تو نتیجہ کے طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ قبور جن میں ان حضرات کے اجسام مقدس آرام کناں ہیں، وہ گھر ہیں جن کو بلند کرنے اور ان پر عالی شان عمارات بنانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ جیسا کہ ایک اور آیت سے لفظ "بیت" کے استعمال سے استفادہ ہوتا ہے جو یہ ہے کہ "واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسمٰعیل" یعنی جب ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ خانۂ کعبہ کی عمارت کی بنیادوں کو رفیع و بلند کر رہے تھے"۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان گھروں کے بارفعت و

---

[1] اس روایت کو ثعلبی جیسے علمائے اہلِ سنت نے تفسیر اور دیگر کتب میں نقل کیا ہے۔ نیز علمائے شیعہ مثلاً قمی نے اپنی تفسیر میں، کلینی نے کافی میں، صدوق نے کتاب کمال الدین میں، طبرسی نے "مجمع" میں اور دیگر علمائے نے اپنی کتابوں میں اس کا ذکر کیا ہے چنانچہ تشریح کے ساتھ یہ تفسیر برہان وصافی و نورالثقلین میں مذکور ہے۔ ان کتابوں میں روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے تصریح فرمائی ہے کہ "بیوت" سے مراد خانہ ہائے پیغمبرؐ اور ان کی عترتِ پاک کے گھر مراد ہیں۔

جلالت رہنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ لہذا پہلے معنی کے اعتبار سے واضح طور پر ارشادِ باری تعالیٰ کا مطلب یہی نکلتا ہے کہ پیغمبرؐ و ائمہ معصومین علیہم السلام کی قبورِ مقدس پر بلند و شاندار عمارات و قبہ جات تعمیر کیے جائیں۔

معنیٰ دوم کے لحاظ سے بھی آیۂ مذکورہ اس بات پر دلیل ہے کہ ان کی رفعت و جلال کی اجازت میں ہر قسم کی رفعت و عظمت و جلال شامل ہیں، جن میں عمارات بھی داخل ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کے شعائر و حرمات کی تعظیم و تجلیل کے لئے قرآن پاک میں واضح آیات ہیں۔ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں مذکور ہوا۔

قبورِ مقدسہ کی یہ تجلیل و ترفیع و تعظیم و تکریم ایک عقلی و عرفی امر ہے۔ اس کی ضرورت نورِ عقل کے ذریعہ ظاہر و واضح ہوجاتی ہے۔ تاہم اس کے موارد مختلف ہیں۔ مثلاً ایک بڑے اور بلند مکان کی تجلیل و ترفیع و تعظیم اس بات سے ہوتی ہے کہ اس کی عمارت اچھی نظر آئے، اس کو خراب نہ ہونے دیا جائے، اس میں فرش بچھائے جائیں چراغ روشن کیے جائیں۔ اور شریعت کے مطابق اس کی زینت کی جائے، آپ جانتے ہیں کہ خانۂ کعبہ کو پردہ (سیاہ) سے ڈھانپنا اس کی تعظیم کا ایک پہلو ہے۔ اور مساجد کی تعظیم ان کی عمارات و فرش و چراغ اور ان کی پاکیزگی کی حفاظت وغیرہ میں ہے۔ تجلیل و تعظیم قرآنِ مجید اس بات میں ہے کہ اس کی جلد خوبصورت ہو، اس کو پاک کپڑے میں لپیٹ کر پاک مقام پر رکھا جائے، اس کو اٹھاتے ہوئے احتراماً آپ کھڑے ہوجائیں، اس کو بوسہ دیں، آنکھوں سے لگائیں، باادب و باطہارت بیٹھیں اور حضوریٔ قلب و تدبر کے ساتھ اس کی تلاوت کریں۔ اس کے برعکس اگر یہ ہو کہ اس کی جلد خوبصورت

نہ بنائی جائے، اس کو گندی جگہ پر رکھا جائے، اس کا احترام نہ کیا جائے تو بسا اوقات یہ قرآنِ پاک کی توہین سمجھی جائے گی۔
اس موضوع کا دوسرا شاہد آیۂ مبارکہ " فالذین آمنوا بہ و عزروہ ونصروہ ..... الخ " ہے۔ یعنی وہ لوگ جو رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لائے، ان کی تعظیم کی اور اُن کی نصرت کی، وہی رستگار ہیں۔ چونکہ ایمان اور نصرت صرف آنحضرتؐ کی حیاتِ مقدس تک ہی مخصوص نہیں اس لئے حضرتؐ کی تعظیم کو بھی آپ کی حیاتِ پاک ہی کے لئے مخصوص نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ میت کو کسی نصرت و تعظیم کی ضرورت نہیں تو ہم کہیں گے کہ جس طرح یہ اس قابل ہے کہ اِس پر ایمان لایا جائے۔ اُسی طرح یہ قابلِ نصرت و تعظیم بھی ہے اور یہ تعظیم و نصرت اُسی نوعیت پر ہو گی جس پر لوگ ایسا کر سکیں۔
قرآنِ پاک کے سورۂ انبیاء میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ مذکور ہے۔ جب آپ نے مشرکین کے بتوں کو توڑ پھوڑ دیا اور مشرکین نے آکر یہ واقعہ دیکھا تو کہنے لگے کہ ابراہیمؑ کو آگ میں جلا ڈالو اور اس طرح اپنے بتوں کی نصرت کرو۔ ان لوگوں نے حضرت ابراہیمؑ کے آگ میں جلا ڈالنے کو اپنے بُتوں کی نصرت سے تعبیر کیا۔ تو کیا کسی مؤمن کی میّت کی یہ نصرت نہ ہو گی کہ اس کو چھوڑ کر نہ جائیں کہ یہ اس کی توہین ہو گی؟ اس کو عزت و احترام کے ساتھ دفن کریں اور اگر کوئی اس کی قبر کو خراب یا منہدم کرنا چاہے تو اس میں مانع ہوں۔
اس احترام کی سب سے زیادہ سزاوار وہ ہستی ہے جس کو مومنین کے امیر و رئیس ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس لئے کہ آپ سے

متابعت اور برکت ایمان درجۂ کمال پر پہنچاتی ہیں۔ پس اگر کوئی آنحضرت ؐ کی قبر مقدس کو تعمیر کرے۔ کعبۂ مکرمہ کی طرح اسے پردہ پوش کرے۔ اس پر سے گرد و غبار کو صاف کرے، اس کی زمین پر جاروب کشی کرے، اس میں چراغ روشن کرے۔ اس کی زیارت کے لئے حاضر ہو، اس کو بوسہ دے اور صاحب قبر پر سلام بھیجے، تو ظاہر ہے کہ یہ سب کام صاحب قبر سے تعلق و محبت کا اظہار ہوں گے۔ اور اس کی تجلیل و تعظیم کے مظہر ہوں گے۔ اگر کوئی اس کے خلاف کرے تو یہ صاحب قبر کی توہین اور اس کو چھوٹا اور حقیر شمار کرنے کے مترادف ہوگا۔

اس بحث کا ایک اور شاہد سورۂ کہف میں اصحاف کہف کا قصہ ہے۔ جب لوگوں کی ایک جماعت اصحاف کہف کے مقام سے واقف ہو گئے تو کہنے لگے کہ ان کی خواب گاہ میں ہم سکونت کے لئے گھر بنالیں ایک اور جماعت نے کہا کہ یہاں عبادت کی خاطر ایک مسجد بنا دینا چاہیئے۔ یہ لوگ اس مقام پر مساکن یا مسجد بنانے کو اصحاب کہف کے احترام و تجلیل و تعظیم کے مترادف سمجھتے تھے۔ روایات میں تو یہ آیا ہے کہ اس زمانہ کے مسلمان بادشاہ نے کہا کہ مناسب تو یہ ہے کہ اس جگہ ایک مسجد بنائی جائے اور اس کی زیارت کے لئے ہمیشہ آیا کریں۔ یہودیوں کی ایک جماعت نے کہا کہ یہ ہم میں سے تھے۔ اور ہمارے دین پر تھے۔ اب یہ دنیا سے چلے گئے۔ اس لئے ہمیں چاہیئے کہ اس جگہ ہم اپنے لئے ایک عبادت گاہ بنائیں۔ اس سلسلہ میں بہت اختلاف رونما ہوا مسلمان بادشاہ غالب آیا اور وہاں ایک مسجد کی بنیاد رکھ دی گئی۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک مسجد یا کنیسہ (عبادت گاہ) کی تعمیر اصحاب کہف کی تعظیم و رفعتِ مقام کی صورت

تھی۔ یہ ایک موضوع عرفی ہے کہ تمام دنیا والے اپنے بزرگوں کی خاطر جس کو معمول جانتے ہیں۔

بحار میں منقول ہے کہ بادشاہ نے کہف کے نزدیک، ایک مسجد بنوائی جس میں لوگ نماز پڑھتے تھے، اس جگہ اپنی عید مناتے تھے اور یہ رواج ہو گیا کہ ہر سال عید منانے کے لئے لوگ وہاں حاضر ہوا کرتے تھے۔

پس اے عزیز بھائیو! کیا اصحاب کہف ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یا اُن کی عترت پاک سے بڑھ کر ہیں؟ یا اصحاب کہف کی خواب گاہ اس مقام سے زیادہ افضل ہے جس پر آنحضرتؐ کا جسم اقدس محو خواب ہے؟ یہ امر آفتاب کی طرح روشن ہے کہ آنحضرتؐ اور آپؐ کی عترتِ طاہرہ سب سابقین سے بہتر ہیں اور اُن کی خواب گاہ سب سابقین کے مقام سے ہزار درجہ بہتر و بالا ہے۔ لہذا ہم کیوں اس تعظیم و تجلیل عرفی سے کوتاہی کریں۔ آنحضرتؐ کی قبرِ اقدس کے قریب مسجد نہ بنائیں اور ان کی زیارت و عبادت کے لئے وہاں حاضر نہ ہوں۔

جو کچھ ہم نے مندرجہ بالا سطور میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بارے میں ثابت کیا ہے۔ وہی آنحضرت کے خلیفہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے لئے ثابت ہے اس لئے کہ پروردگارِ عالم نے اُن کو آیۂ مباہلہ میں نفسِ پیغمبرؐ کی منزل پر قرار دیا۔ اور تمام علمائے اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ آیۂ مباہلہ میں "انفسنا" کا مصداق حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔

ابن ابی الحدید بزرگ علمائے اہل سنت سے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انصاف تو یہ ہے کہ آیۂ مباہلہ سے ہم ثابت کر سکتے ہیں کہ آنحضرتؐ

کے تمام اوصافِ کمالیہ اور آپ کے مقاماتِ شان سب کے سب علی علیہ السلام کے حق میں قرار پاتے ہیں کیونکہ ان کو اس آیت میں پروردگارِ عالم نے بمنزلۂ نفسِ پیغمبر قرار دیا ہے۔ لہٰذا آنحضرتؐ کے تمام فضائل حضرت علی علیہ السلام کے لئے ثابت ہوتے ہیں سوائے صفتِ نبوت کے جو بدلیلِ قطعی خارج ہے۔

لہٰذا اگر بعض روایات میں تعمیرِ قبور کی ممانعت وارد ہوتی ہے۔ تو یہ ممانعت اگر ثابت ہو جائے اور سند وطریقِ حدیث میں کوئی شک شبہ بھی نہ رہے تو پھر ہمیں یہ کہنا لازم ہو گا کہ یہ ممانعت قبورِ معصوم (پیغمبرؐ یا امام) کے لئے نہیں ہے، بلکہ یہ ان قبروں کے لئے ہے۔ جو قبرِ معصوم کے علاوہ ہیں۔ کیونکہ اگر اس ممانعت کو قبرِ معصوم کے بارے میں سمجھا جائے تو یہ روایت خلافِ قرآن ہو گی۔ جیسا کہ سابق میں ذکر ہوا۔ اور جو روایت قرآن کی مخالفت کرے وہ باطل ہوتی ہے۔ اس لئے لازم ہے کہ مسلمان قرآنِ کریم اور اس کی روایات سے متمسک رہیں۔

ابھی ایک اور موضوع باقی ہے جس کا تذکرہ ضروری ہے اس موضوع کا تعلق ان زائرین سے ہے۔ جو عتباتِ مقدسہ کی زیارت کو جا کر حرم پاک کی ڈیوڑھی پر پہنچتے ہی اپنی پیشانی چوکھٹ پر اس طرح رکھ دیتے ہیں گویا سجدہ کر رہے ہوں۔ لہٰذا اگر ان کا مقصد پیغمبرؐ یا امامؑ کو سجدہ کرنا ہو تو وہ ایک فعلِ حرام کے مرتکب ہوں گے۔ ان کو اس عمل سے منع کرنا چاہیئے۔ لیکن اگر کسی زائر کا قصد پروردگارِ عالم کے حضور سجدۂ شکر ہو کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے اس قبرِ پاک کی زیارت کی توفیق عطا فرمائی۔ اور اسے زندہ رکھا کہ اس کی آنکھیں ضریحِ اقدس کی زیارت کریں تو یہ حرام نہیں بلکہ اس توفیق پر ادائے

شکرانہ مستحب ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ زائر اپنی پیشانی اور چہرہ کو تبرک کے طور پر آستانہ' مبارکہ پر مل رہا ہے جس طرح قرآن کریم پر منہ ملتے اور اسے چومتے ہیں جس میں کوئی چیز مانع نہیں۔

اگر ہم اس زائر کے مقصد سے واقف نہ ہوں تو اصولاً مسلمان کے عمل کو صحت پر محمول کریں نہ کہ فساد پر، کیونکہ یہ واضحاتِ احکام اسلام سے ہے اور قرآنِ مجید کی آیہ شریفہ جو سورہ حجرات میں ہے۔ یعنی "لا تجسسوا" یعنی تجسس نہ کریں، کی موجودگی میں ہم کسی قسم کا حق تفتیش و تجسس نہیں رکھتے۔

جو کچھ ہم نے اب تک اپنے برادرانِ دینی کی خدمت میں عرض کیا ہے کہ ہر باانصاف آدمی کے لئے قابلِ قبول ہونا چاہیئے۔ اگر کوئی شخص اپنے دل کو عناد و عصبیت سے پاک کر لے تو یہ سب کچھ بلکہ اس سے کم پر بھی اس کو اکتفا کرنا چاہیئے کہ اس سے اس پر مطلب حق روشن ہو جائے گا۔ لہذا ہم قارئین کرام سے درخواست کریں گے۔ وہ غور و خوض اور انصاف کو کام میں لائیں اور جب کتاب خدا اور پیغمبرؐ کی عترتِ پاک کی جو آنحضرتؐ کے دنیا میں دو خلیفہ ہیں، معرفت حاصل کرلیں تو پھر اپنے وجدان و ضمیر سے فیصلہ کریں۔

جاہلوں کی ایک جماعت ہے جو خطا کار و خائن ہیں، درندہ صفت انسان ہیں، اہلِ ایمان کی دیانت، کے چور ہیں۔ درحقیقت ان کی زبانوں سے شیطان بولتا ہے اور ابلیس اپنے آپ کو ان کی صورتوں میں نمایاں کرتا ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو قرآن کے پیرو کہہ کر آنحضرتؐ پر سبقت کرتے ہیں۔ اور قرآن کی آیات کی تفسیر و ترجمہ اپنی رائے سے کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے دراصل اللہ تعالیٰ کو پہچانا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے دور نہیں ہے۔ وہ قیوم ہے۔

اور اپنی مخلوق کا محافظ ہے۔ وہ جسم نہیں رکھتا کہ اسے کسی مکان کی ضرورت ہو اور اس کی قیومی اہلِ آسمان و زمین دونوں کے لئے مساوی ہے۔ یہ نادان و خطا کار لوگ سورۂ آلِ عمران کی آیۂ مبارکہ ۱۶۹ یعنی "احیاء عند ربھم یرزقون" سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے۔ بہشت بھی وہیں ہے۔ عرش مرکزِ خلقت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آئمہ علیہم السلام اور حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام، جو اللہ کی راہ میں شہید ہو چکے جنت کی (جو اللہ کے قریب عرش پر ہے) نعمات سے بہرہ ور ہیں۔ یہ کرۂ زمین سے بہت دُور جا پڑے ہیں۔ اور زمین پر رہنے والوں کے کاموں اور ضروریات سے مطلع نہیں ہو سکتے۔ اور ان سے بالکل بے خبر ہیں جو کچھ اب تک اس کتاب میں قرآن و عترتِ رسول کی معرفت کے بارے میں کہا گیا اس سے ہمارے برادرانِ دینی کو معلوم ہو جانا چاہیئے کہ ایسا سمجھنے والے لوگ جاہل ہیں۔ انہوں نے خدا، رسول اور عترت کو پہچانا ہی نہیں، وہ اپنے آپ کو مذہب تشیع سے نسبت دینے میں بالکل جھوٹے ہیں۔

اسی طرح ان خطا کاروں نے سورۂ فاطر کی آیت ۱۴ کا اپنی رائے سے ترجمہ غلط طور پر کیا ہے۔ ان کے تخیلِ غلط کے بطلان کی خاطر ہم اس آیۂ مبارکہ کا ذکر کرتے ہیں۔

سورۂ فاطر میں ارشاد ہوتا ہے "والذین تدعون من دونہ ما یملکون من قطمیر ان تدعوھم لا یسمعوا دعائکم ولو یسمعوا ما استجابوا لکم و یوم القیمۃ یکفرون بشرککم"۔ الا یعنی، تم لوگ جو اللہ کے علاوہ کسی اور کو پکارتے ہو وہ قطمیر (کھجور پر جو نازک چھلکے) جتنا بھی اختیار نہیں رکھتے۔ تم انہیں پکارو تو وہ سنتے

نہیں، نہ جواب دیتے ہیں۔ وہ روز قیامت تمہارے شرک سے انکار کر دیں گے۔"

یہ آیہ مبارکہ مشرکین کی تنبیہ و سرزنش کر رہی ہے جو اپنے بتوں کے سامنے عاجزی اور اُن کی پرستش کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو تنبیہ فرماتا ہے کہ یہ بُت کسی چیز کے نہ مالک ہیں اور نہ ہی کچھ سنتے ہیں اور اگر تم دعویٰ کرو کہ یہ سنتے ہیں تو تم دیکھتے ہو کہ یہ جواب نہیں دیتے۔ ظاہر ہے کہ یہ آیہ مبارکہ انسانوں سے مخاطب نہیں۔ کیونکہ قرآن و شرع و عقل کی رُو سے انسانی افراد مالکِ اشیاء ہوتے ہیں۔ دیکھتے بھی ہیں، سنتے بھی ہیں۔ اور جواب بھی دیتے ہیں۔ پس ظاہر ہُوا کہ آیہ مبارکہ اپنے قرینہ کلمات سے افرادِ انسانی کو شامل نہیں کرتی۔ بلکہ اس سے بت پرستوں کی تنبیہ و سرزنش مراد ہے کہ اُن کے یہ بُت نہ تو کسی چیز کے مالک ہیں، نہ سنتے ہیں اور نہ ہی جواب دیتے ہیں۔

یہ خیال بے معنی ہو گا کہ ہم اس آیت کا مصداق ان انسانوں کو قرار دیں جو اس دنیا سے جا چکے ہیں جیسا کہ یہ خطا کار لوگ کرتے اور آنحضرتؐ اور آئمہ علیہم السلام کو اس کا مصداق قرار دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو نہیں بخشے گا اور چونکہ یہ بندگانِ خدا کی ضلالت و گمراہی کا سبب ہیں۔ اس لئے اللہ ان کو آنحضرتؐ اور آئمہ علیہم السلام کی شفاعت سے محروم کرے گا۔ یہ لوگ بغیر علم صحیح قرآن کی تفسیر کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے وضاحت سے فرمایا ہے کہ جو کوئی اپنی مرضی سے قرآن کی تفسیر کرے گا اس کا مقام آتش جہنم میں ہو گا۔ اس حدیث کو اہل سنت اور اہل تشیع دونوں نے بہت نقل کیا ہے۔

اگر آپ مزید معلوم کرنا چاہیں کہ یہ آیہ مبارکہ انسانی افراد

کے بارے میں نہیں تو سورۂ اعراف کی آیات ۱۹۲، ۱۹۳ اور ۱۹۴ کی طرف رجوع فرمائیں۔ واضح ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات بت پرستوں کی سرزنش فرما رہی ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ ان بتوں کو پکار کر دیکھو کہ یہ جواب دیتے ہیں اگر تم سچے ہو۔ کیا یہ پاؤں رکھتے ہیں کہ چل سکیں، یا ہاتھ رکھتے ہیں جس سے مار سکیں یا آنکھیں رکھتے ہیں کہ دیکھ سکیں یا کان رکھتے ہیں کہ سن سکیں؟ اے پیغمبرؐ کہہ دیجئے کہ تم اپنے بتوں کو پکارو میرے خلاف اور پھر مجھے کوئی موقع نہ دو۔

پھر سورۂ حج کی آیت ۷۲ میں ارشاد ہوتا ہے کہ اے لوگو! ہم (تم بت پرستوں کے لئے) ایک مثال دیتے ہیں۔ اس کو اچھی طرح سن لو کہ جن کی تم عبادت کرتے ہو اور جن کو تم پکارتے ہو یہ ایک مکھی تک نہیں بنا سکتے اگرچہ سب اکٹھے بھی ہو جائیں اور اگر یہ مکھی ان بتوں کے چہروں سے (تمہاری لگائی ہوئی شیرنی) کچھ اٹھالیں تو یہ اس سے واپس نہیں لے سکتے۔

ان تمام آیات کا مصداق بت ہیں جو وہ اپنے ہاتھوں سے بناتے تھے اور پھر خود ہی ان کی عبادت کرتے تھے۔ ان سے انسان ہرگز مراد نہیں۔

(قرآن پاک سے واضح ہے کہ ایک جماعت حضرت عیسٰی علیہ السلام کو خدا مانتی تھی۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے مٹی سے بڑے پرندے بنائے اور انہیں خلق کیا۔ چنانچہ قرآن مجید میں سورۂ مائدہ آیت ۱۱۰ میں صراحت کے ساتھ حضرت عیسٰی سے خطاب ہوتا ہے کہ وہ مٹی سے پرندہ کی شکل بناتے، اس میں پھونک مارتے اور وہ اڑ جاتا۔ ہمارے پیغمبرؐ و آئمہ علیہم السلام بھی، جیسا کہ سابق میں گزر چکا، اس بات پر قادر

تھے۔ لہٰذا ان آیات کا مصداق بُت ہیں جو کبھی کوئی چیز نہ بنا سکے اور نہ بنا سکیں گے۔ وہ کسی چیز کے مالک نہیں، نہ سنتے ہیں اور نہ جواب دیتے ہیں اور نہ ہی مکھی تک کو اپنے سے دفع کر سکتے ہیں۔

لہٰذا ان ظالموں اور گمراہوں نے سورۂ فاطر کی مندرجہ بالا آیت کا اس طرح ترجمہ کیا ہے اور اپنی طرف سے آیت میں اضافہ کیا ہے کہ "جو کوئی اللہ کے علاوہ کسی سے اپنی حاجت براری چاہے اس کو جاننا چاہیئے کہ وہ لوگ مرنے کے بعد کھجور پر موجود نازک جھلی جتنا بھی کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتے اور اگر ان کو پکارو تو قیامت تک تمہاری بات نہیں سنیں گے اور اگر سنیں بھی تو تمہارے نفع کی خاطر جواب نہیں دے سکتے، اور قیامت کے دن یہ لوگ تمہارے ان مشرکانہ اعمال سے انکار اور تم سے نفرت کا اظہار کریں گے۔"

جب انہوں نے دیکھا کہ آیت کے ظاہری معنی افرادِ انسان پر مطابقت نہیں رکھتے اس لئے کہ آیہ مبارکہ کہتی ہے کہ جن کو تم پکارتے ہو کسی چیز کے مالک نہیں، نہ جواب دیتے ہیں، نہ سنتے ہیں، جبکہ افرادِ انسانی مالک بھی ہوتے ہیں، سنتے بھی ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں لہٰذا انہوں نے اس میں یہ اضافہ کر دیا اور کہہ دیا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ مرنے کے بعد کھجور کے نازک چھلکے کے برابر بھی کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتے۔ اس طرح انہوں نے اس آیت کی تطبیق آنحضرتؐ اور آئمہ علیہم السلام پر کر دی کہ یہ تو مرنے کے بعد اس زمین سے بہت دور بہشت میں اللہ کی ممانعت کے مورد ہیں اور لوگوں کے حالات کی خبر نہیں رکھتے، کوئی چیز ان کے اختیار میں نہیں، جس طرح بھی پکارے جاؤ، یہ نہیں سنتے، انہوں نے اپنے ان غلط کلمات سے آنحضرتؐ اور آئمہؑ کی ضریح ہائے پاک کو موردِ طعن قرار دیا ہے، لوگوں کی ان سے

عقیدت کو اعمالِ جاہلانہ سے تعبیر کرتے ہیں اور آنحضرتؐ اور آئمہؑ کو بعد از مرگ بتوں کی طرح بنا دیا ہے کہ یہ روح نہیں رکھتے، نہ کوئی بات سمجھتے ہیں اور جمادات کی طرح ہیں۔ اِن کا نمائندہ ذوالفقار نامی ایک شخص ہے جو علم و معرفت سے بالکل بیگانہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ کیا اس طرح کی آیات کے ہوتے ہوئے ان مقدس مَردوں کو خدا کی طرح ہر جگہ حاضر ناظر سمجھا جائے، ان کو باب الحوائج سمجھ کر ان سے توسل کیا جائے، ان کی قبروں کی زیارت کو جائیں جب کہ ان قبروں کے مقامات بھی صحیح طور پر معلوم نہیں، اُن کی قبروں پر زیارت کے وہ طریقہ اختیار کریں جو بت پرست اپنے بتوں کے لئے کرتے ہیں، ان کے لئے ضریح و گنبد و بارگاہیں تعمیر کریں۔ ایسے ہی خبیث کلمات یہ لوگ کہتے ہیں جن کا ذکر نہ کرنا بہتر ہے۔

پس اے برادرانِ دینی! یہ گمراہ لوگ قرآن کے ایک چوتھائی حصہ کو جو آنحضرتؐ اور آئمہؑ کی فضیلت و شرافت و خلقت سے متعلق ہے (جیسا کہ ہزارہا روایات تشریح کے ساتھ موجود ہے) قبول نہیں کرتے اور یہ خدا کی کتاب اور عترتِ رسولؐ سے متمسک نہیں ہیں۔ انہوں نے کروڑوں شیعہ افراد کے عقائد کے خلاف یہ آواز اٹھائی ہے جو ان قبورِ مقدسہ کے مالکان سے سابق سے لے کر اب تک استفادہ کرتے رہے ہیں اور ان کی برکت و توسل سے اللہ تعالیٰ نے ان کی حاجات پوری کی ہیں اور امراض کو شفا مرحمت فرمائی ہے۔

کوئی لوہا، چاندی یا سونا جب تک ان قبورِ مقدسہ پر نصب یا ان سے منسوب نہ ہو بکری کے چمڑے کی طرح کوئی احترام حاصل نہیں کرتا جب تک کہ وہ چمڑا قرآن کی جلد پر استعمال نہ ہو جائے۔ جب یہ چمڑا قرآن کی جلد بن جاتا ہے تو قابلِ احترام ہو جاتا اور مسلمان

اس کو چومتے ہیں اور شارع علیہ السلام نے بھی اس کے احترام کا حکم دیا ہے اور حالتِ جُنب اور حیض میں اس کو چھُونے سے منع فرمایا ہے۔ سورۂ واقعہ میں ارشاد ہوتا ہے " انہٗ لقرآن الکریم فی کتاب مکنون لا یمسہ الّا المطھرون " یعنی قرآن کریم سوائے حالتِ پاکیزگی کے مس نہ کیا جائے۔

شیخ طوسی نے کتابِ شریف "تہذیب" و "استبصار" میں امام موسیٰ کاظمؑ علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا: قرآن کو طہارت (وضو یا غسل) کے بغیر مس نہ کرو۔ جنب کی حالت میں اس کو مس کرنا، اس کے الفاظ پر ہاتھ پھیرنا یا اپنے گلے میں اسے لٹکانا نہ چاہیئے۔ کیونکہ خداوند عالم فرماتا ہے۔ " لا یمسہ الا المتطھرون " حقیر مؤلف کہتا ہے کہ بغیر طہارت قرآن کے الفاظ کو چھونا حرام ہے باقی باتیں مکروہ ہیں۔

"رب احکم بیننا وبین قومنا بالحق وانت احکم الحاکمین"

برادرانِ ایمانی! قلبِ انسانی جسم کے اعضاء و جوارح پر حاکم ہے اور ان کو حکم دیتا ہے۔ اعضاء و جوارح قلب کے تابع ہیں۔ جو کچھ قلب کا حکم ہوتا ہے۔ اعضاء و جوارح اس کے مطابق کام کرتے ہیں اسی طرح رئیس کے فرائض، تابعین کے فرائض سے زیادہ اہم ہوتے ہیں۔ جسم میں بھی فرائض قلب، فرائض اعضا سے زیادہ اہم و مشکل ہوتے ہیں۔ قلب کے فرائض میں یہ بات شامل ہے کہ معرفتِ اعتقاد حقہ (ایمان و عبادت) کو دلائلِ محکم (آیاتِ مبارکۂ قرآن و روایاتِ متواترہ) کے ذریعہ اختیار کرے۔ لہذا اگر عقائد عقلی و فطری ہوں تو یقیناً قلب اس بات کو تسلیم کرے گا کہ قرآن کے احکام اور رسولؐ و آئمہؑ کے ارشادات و بیانات بالکل فطرت و عقل کے مطابق ہیں اور

انہیں من و عن قبول کر لینا چاہیئے۔ کیونکہ آنحضرت کا حکم ہے کہ قرآن وعترت سے تمسک کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے" ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئِک کان عنہ مسئولا۔ یعنی کان، آنکھ، قلب سب اپنے اپنے فرائض کے لئے جواب دہ ہیں۔ کان سے سوال ہوتا ہے کہ اس نے حلال کو سنا یا حرام کو (کان کا ایمان وعبادت و فرض حلال بات کو سننا اور حرام سے اجتناب کرنا ہے) اسی طرح آنکھ کا فرض و ایمان حلال چیز کو دیکھنا اور حرام سے دور رہنا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس قلب کا عقائدِ حقہ کا حامل ہونا ہے جن کو قرآن وروایاتِ صحیح کے عین مطابق ہونا چاہیئے۔

برادرانِ عزیز! دنیا و آخرت کی سعادت کا دار و مدار عقائدِ حقہ اور اس دین پر ہے جو اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ہے۔ امام علیہ السلام فرماتے ہیں: "ایک دیندار شخص کا جو دینِ حق پر ہو گناہ ایک بے دین کے عملِ خیر سے بہتر ہے کیونکہ دیندار کا گناہ بخشا جاتا ہے۔ جب کہ بے دین کے اعمالِ خیر بارگاہِ پروردگار میں قبول نہیں ہوتے۔ لہٰذا اے میرے دینی بھائیو! اپنے عقائد کو قرآن وعترت کے احکامات کے مطابق قائم کرو۔ ہر الٹی سیدھی بات پر کان نہ دھریں۔ خدائے رحمٰن کی عبادت بجالاؤ، شیطان کی عبادت نہ کرو، آنحضرتؐ، امام جعفر صادق اور امام محمد تقی صلوٰت اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا ہے: "جو کوئی کسی کہنے والے کی بات مانتا ہے تو گویا اس کی عبادت کرتا ہے۔ اگر وہ کہنے والا اللہ تعالیٰ کی جانب سے کہہ رہا ہے تو یہ خدا کی عبادت ہوگی اور اگر وہ شیطان کی جانب سے کہہ رہا ہے تو یہ شیطان کی عبادت ہوگی"۔ (یہ روایت عیون، تحف العقول اور عدۃ الداعی میں منقول ہے)۔

جاننا چاہیئے کہ دشمنانِ دین بہت زیادہ ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ لوگوں کو گمراہی میں دھکیل دیں۔ لہٰذا اگر کوئی کہنے والا اللہ یا پیغمبر

یا امام کی طرف سے بات نہیں کرتا تو اس کی بات پر کان نہ دھریں۔ اس دن سے ڈریں جب شیطان کی عبادت کرنے والوں کے نالے جہنم سے بلند ہوں گے۔" لو کنّا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر" (سورہ ملک) یعنی کاش دنیا میں ہم کانوں سے کام لیتے اور عقل کی پیروی کرتے جو حجتِ پروردگار ہے، تو آج جہنم میں نہ ہوتے۔" پس بات سن کر عقل کے مطابق عمل کریں۔ قرآن اور عترت سے جو حجتِ پروردگار ہیں، دست بردار نہ ہوں اور ان دونوں سے جو تمہارے پیغمبر کے دو خلیفہ ہیں۔ متمسک رہیں، حق کے ان دونوں کے پاس ہونے پر یقین رکھیں رسول اکرمؐ اور ان کی عترت کے علاوہ کسی اور کی پیروی نہ کریں۔ کیونکہ دوسرے لوگ قیامت کے دن اپنے تابعین سے بیزار ہوں گے اور اگر آپ آنحضرتؐ اور آئمہؑ کے پیرو رہیں گے تو وہ آپ کی سعادت کی ضمانت دے چکے ہیں۔ پھر آپ ان کے ساتھ محشور ہوں گے۔

اصول دین، جو آپ کی دنیا و آخرت میں سعادت کے ضامن ہیں۔ میں ہر کس و ناکس کی طرف رجوع نہ کریں۔ جب تک مکمل طور پر سختی سے اس کی تحقیق نہ کرلیں۔ یہ بالکل اسی طرح ہے کہ کسی مرض کے علاج کے لیے اپنی یا اپنے خاندان میں کسی مریض کی خاطر ہمیشہ کسی طبیب کامل کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ خاص طور پر اگر طبیب مرض یا علاج کے معاملہ میں اختلاف رکھتے ہوں تو اور بھی زیادہ تحقیق ضروری ہے۔ آپ کو جاننا چاہیے کہ علاجِ روح علاجِ بدن کی نسبت کئی درجہ زیادہ مشکل ہے۔ لیکن دیکھا گیا ہے کہ لوگ عملی طور پر علاجِ بدن کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ ہم نے دیکھا بھی ہے اور سنا بھی کہ مخالف مذاہب کے بعض مبلغین اپنے باطل دعووں کو ثابت کرنے کے لیے قرآن پاک سے آیات پڑھنے لگتے ہیں اور ان کے کسی

ایک لفظ یا کلمہ کو علیحدہ کر کے اپنے نظریہ کے مطابق اس کا ترجمہ یا تفسیر کرنے لگتے ہیں اور ان بے چاروں کو جو باطل کو حق سے جدا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے، گمراہ کر دیتے ہیں۔ یہ بے چارے اپنے مقام پر سوچتے ہیں کہ یہ سب مفاد قرآن میں ہے۔ وہ یہ سوچتے ہیں کہ قرآن کے معاملہ میں کس طرح دروغ گوئی سے کام لیا جا سکتا ہے۔ آپ یاد رکھیں کہ شیطان وہ ہے جس نے جھوٹی قسم کھا کر حضرت آدمؑ کے لئے اشتباہ پیدا کر دیا تھا اور اسی طرح قسمیں کھا کر فرزندان آدمؑ کو گمراہ کرتا رہتا ہے۔ اور انہیں ہلاکت و خسارہ کے گرداب میں غرق کر دیتا ہے۔

آپ کا ایمان ہونا چاہیئے کہ دریائے ضلالت میں کشتیٔ نجات صرف عترتِ رسولؐ ہیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ان روایات میں جو شیعہ و سنی سب قبول کرتے ہیں ارشاد فرمایا ہے: "مثل اهل بيتي كسفينة نوح ....الخ" یعنی، میری اہل بیت کی مثال کشتیٔ نوح کی مثال ہے۔ جو کوئی کشتی میں سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو اس میں سوار نہ ہوا اس کے نصیب میں ہلاکت ہے۔
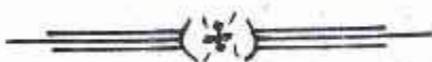
پس اس امت میں جو کوئی عترت سے متمسک ہو گا۔ وہ اہلِ نجات سے ہے۔ جو کوئی عترتِ رسولؐ کو اپنا پیشوا قرار دے، ان کا تابع فرمان ہو، ان کا نمائندہ بنے، وہ سعادت و نجات حاصل کرتا ہے اور وہ عترتِ رسولؐ کے ساتھ محشور ہو گا۔ قرآن میں اسی لئے ارشاد ہوتا ہے کہ ہر جماعت اپنے امام اور اپنے پیشوا کے ساتھ محشور ہو گی۔ لہذا ایسے کام نہ کرو کہ ان کے علاوہ دوسروں کے ساتھ محشور ہو۔

اس مقام پر ہم اپنے کلام کو ختم کرتے ہیں۔ اور اپنے برادران اہل ایمان سے درخواست کرتے ہیں کہ اگر وہ اس کتاب میں کوئی لغزش یا غلطی پائیں تو اس کو معاف فرما دیں اور اللہ تعالٰی کے حضور بھی ہمارے

لئے عفو و بخشش کی درخواست کریں۔ نیز اس کی ہمیں اطلاع دیں تاکہ ہم طبع میں اس کی اصلاح کر سکیں یہ دعا بھی کریں کہ ہمیں اس کی دوسری جلد کی توفیق حاصل ہو تاکہ اس میں اپنے مولا یان کی خلقت وصفات کو مزید تشریح کے ساتھ پیش کر سکیں۔ یہ توفیق خداوند کریم والحمد للہ رب العلمین والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ وخالف النفس والھویٰ والردیٰ۔

علی بن محمد بن اسمٰعیل النمازی الشاہرودی

رحمھم اللہ فی الدنیا والآخرۃ فی اوائل
شھر صیام ۱۳۸۶ھ علیٰ ھاجرہ وآلہ الاف
التحیۃ والسلام وختم طبع فی شعبان ۱۳۸۷ھ

خاتمہ

اُن کتب کے بیان میں جن سے اس کتاب میں روایات منقول کی گئی ہیں

اوّل: کتاب شریف کافی

یہ کتب شیعہ میں اہم ترین کتاب ہے۔ زمانۂ غیبتِ صغریٰ سے اب تک تمام علمائے شیعہ نے اس کتاب پر اعتماد کیا ہے۔ کتبِ شیعہ میں یہ ستاروں کے درمیان چاند کی مثال رکھتی ہے۔ یہ کتاب تمام فقہا و محدثین شیعہ کے نزدیک "مرجع" پناہ گاہ اور روشنیٔ چشم کا درجہ رکھتی ہے۔ جناب ثقۃ اسلام و مسلمین محمد بن یعقوب کلینیؒ کی تالیف ہے۔ جو بیس سال کی مدت میں غیبت صغریٰ کے زمانہ میں جب لوگ امام زمانہ علیہ السلام کی حضرت کے چار نائبین کے توسط سے دسترس رکھتے تھے۔ لکھی گئی۔ اس کو حضرتِ امام زمانہ عجل اللہ فرجہٗ سے نسبت دی جاتی ہے کہ حضرت نے فرمایا "الکافی کاف لشیعتنا" یعنی کتاب کافی ہمارے شیعوں کے لئے کافی ہے۔ ابن اثیر نے، جو علمائے اہلِ سنت سے ہیں شیخ کلینیؒ کو مذہب شیعہ کا مجدد شمار کیا ہے۔ یہ چوتھی صدی ہجری کے شروع کا ذکر ہے جب کہ تیسری صدی ہجری کے اوائل میں امام ہشتم علیہ السلام کو مجددِ مذہب شیعہ سمجھا گیا تھا۔ یہ بزرگوار ۳۲۹ھ میں جوارِ رحمتِ الٰہی کو منتقل ہوئے۔ ان کی قبر بغداد میں مشہور زیارت گاہ ہے

دوم : کتاب شریف من لا یحضرہ الفقیہ

یہ شیخ بزرگوار شیخ صدوقؒ کی تالیف ہے جن کی عظمت و جلالت و عدالت و بزرگی آفتاب کی طرح روشن ہے۔ آپ امامِ زمانہ علیہ السلام کی دعا سے پیدا ہوئے۔ ۳۸۱ھ میں جوارِ رحمتِ الٰہی کی جانب انتقال کیا۔ کتاب من لا یحضرہ کے شروع میں انہوں نے خود ہی فرمایا ہے کہ میں اس کتاب میں وہ کچھ لکھ رہا ہوں جس کی صحت کا مجھے یقین ہے۔ اس کو اپنے اور خدا کے درمیان حجت جانتا ہوں اور اس کے مطابق فتویٰ دیتا ہوں۔

سوم و چہارم : کتاب شریف تہذیب و استبصار

یہ دونوں کتابیں جناب شیخ طوسی قدس سرہٗ کی تالیف ہیں جو فرقۂ حقہ (شیعہ) میں اپنے زمانہ اور اپنے بعد آنے والے تمام علماء میں پیشوا و معتمد شمار ہوتے ہیں۔ ان کے فضائل و کمالات مثلِ آفتاب روشن ہیں۔ محرم ۴۶۰ھ میں انتقال فرمایا۔ اور نجف میں اپنے گھر میں دفن ہوئے۔ ان کی قبر شریف زیارت گاہ ہے۔

یہ چاروں کتابیں احکامِ شیعہ کے بارے میں معروف و مشہور ہیں اور احکام کا ان پر مدار ہے۔ یہ کتب فتاویٰ علماء و مجتہدین کی مدرک ہیں۔

پنجم تا نہم

یہ کتب شیخ صدوقؒ کی ہیں اور ان کا اعتبار ظاہر و واضح ہے۔ ان کے نام یہ ہیں : خصال۔ عیون اخبار الرضا۔ کمال الدین۔

علل - معانی الاخبار -

دہم : کتاب شریف بصائر الدرجات

یہ کتاب محمد بن الحسن صفار قمی کی تالیف ہے۔ ان کی وثاقت و عظمت و جلالت قدر اور جاہ و مقام پر شیعیان قم اور علماء و مجتہدین کے درمیان مکمل اتفاق ہے۔ تمام علماء و مجتہدین جن میں شیخ نجاشی بھی شامل ہیں، جن کے بارے میں تمام علماء و دانشمندان متفق ہیں کہ وہ علم رجال و روات کے پُر اعتماد استاد ہیں، نے بھی اس کتاب کے متعلق کلمات تمجید کہے ہیں اور اپنی تمام کتب میں کتاب بصائر سے نقل کیا ہے۔

اسی طرح شیخ طوسی و علامہ حلّی اور دیگر علماء نے ان کی تمجید و ستائش کی ہے۔ جو شخص ان کے فرمودات کو دیکھنا چاہے۔ اس کو چاہئے کہ مقدمہ کتاب بصائر طبع دوم اور علامہ مامقانی و اردبیلی وغیرہ کی کتب کی طرف رجوع کرے۔

یہ بزرگوار حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے بزرگ اصحاب سے تھے۔ ۲۹۰ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کی کتاب بصائر سے شیخ نجاشی و شیخ طوسی و علمائے متاخرین نے روایات نقل فرمائی ہیں۔ لیکن محمد بن الحسن الولید نے اس کتاب سے روایت نہیں کی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ شاید انہیں کتاب کا اصل نسخہ نہ ملا ہو یا شاید اپنے استاد یعنی صفار کے سامنے یہ کتاب نہ پڑھ سکے ہوں۔ یا اس کو پڑھ کر انہیں اس سے نقل کرنے کی اجازت نہ ملی ہو یا انہوں نے خیال کیا کہ کتاب میں بعض روایات میں غلو کیا گیا ہے اس لئے اس سے روایت نہ کی ہو۔ لیکن یہ کوئی بات نہیں اس لئے کہ ان سے بزرگ تر و کامل تر علماء مثلاً شیخ طوسی، شیخ نجاشی، شیخ حر عاملی علامہ مجلسی اور دوسرے بہت سے علماء نے پورے اعتماد کے ساتھ اس

کتاب سے روایات نقل کی ہیں۔

یازدہم و دوازدہم: کتاب ارشاد و اختصاص

یہ دونوں کتب شیخ مفیدؒ کی تالیف میں جن کو علمائے شیعہ میں شیخ المشائخ و رئیس رؤسائے مذہب سمجھا جاتا ہے۔ ان کے علم و کمال و فقہ و عدالت و جلالت آفتاب سے زیادہ روشن ہیں۔

سیزدہم: کتاب شریف مناقب

اس کے مؤلف فخر الشیعہ، محیی الشریعہ، قطب محدثین ابن شہر آشوب ہیں۔ علمائے اہل سنت و شیعہ نے ان کی تجلیل و تمجید کی ہے۔ ان کی کتاب "مناقب" پر تمام علماء کا اعتماد ہے۔
یہ بزرگوار شعبان ۵۸۸ھ میں جوارِ رحمت الٰہی کی طرف منتقل ہوئے۔

چہاردہم: کتاب شریف خرائج

یہ کتاب عالم عامل کامل، محدث، محقق قطب الدین راوندی کی تالیف ہے جو ۵۷۳ھ میں فوت ہوئے۔ ان کی کتاب موردِ اعتماد و اعتبارِ علمائے شیعہ ہے۔

پانزدہم: محاسن برقی

احمد بن محمد بن خالد برقی کی تالیف ہے جن کے ثقہ و معتمد ہونے پر سب متفق ہیں۔ یہ حضرت امام تقی و علی نقی علیہما السلام کے اصحاب سے ہیں۔
ان کے علاوہ کتاب ہدایۃ الامۃ الی زیارۃ الائمہ مؤلفہ

حجت الاسلام حاج سید مرتضیٰ مجتہد خسرو شاہی تبریزی قدس سرہٗ اور دیگر کتب جن کا حقیر مؤلف نے نقلِ حدیث کے سلسلہ میں ذکر کیا اور سید بن طاؤس وطبرسی وعیاشی وغیرہ کی کتب، جو وثاقت وجلالت وبزرگی میں مشہور ہیں، کی تفصیل کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں۔

خاتمہ کلام

ہم اس کتاب کو ان لوگوں کی مذمت پر ختم کرتے ہیں جو نماز کو سبک شمار کرتے اور ضائع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے: "ویل للمصلین الذین ھم عن صلاتھم ساھون۔" لغت میں "ویل" وائے کے معنی میں آتا ہے۔ لیکن مقدمۂ تفسیر برہان میں لفظ "ویل" کی لغت میں آنحضرتؐ سے منقول ہے کہ فرمایا: ویل ایک کنواں ہے جہنم میں کہ کافر اس میں چالیس خریف (خریف ستر سال کو کہتے ہیں) کے عرصہ تک نیچے غرق ہوجاتا ہے۔" حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: "ویل جہنم کا ایک کنواں ہے۔" اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔ ویل ان لوگوں کے لئے ہے جو نماز کو ضائع کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اس کی یہی تفسیر فرمائی ہے۔

شیخ کلینیؒ نے کافی میں اور دیگر علماء نے باسانید صحیح امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے ایک شخص کو مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ وہ رکوع و سجود میں جلدی کر رہا تھا آنحضرتؐ نے فرمایا: "کوے کی طرح چونچ زمین پر مارتا ہے۔ اگر اسی طرح نماز پڑھتے ہوئے مرجائے تو وہ میرے مذہب و دین کے علاوہ کسی مذہب پر مرے گا۔" اسی طرح کی روایت حضرت امیر علیہ السلام سے بھی منقول ہے۔

کافی میں بسند صحیح امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا، "نماز کو سبک اور چھوٹا نہ جانو۔ کیونکہ آنحضرتؐ نے اپنے وقت

وفات میں فرمایا، جو نماز کو ہلکا شمار کرے اور شراب پیئے وہ مجھ سے نہیں اور وہ حوضِ کوثر پر ہمارے سامنے وارد نہ ہوں گے۔"

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے وقتِ وفات میں فرمایا: "اس شخص کو ہماری شفاعت نصیب نہ ہوگی جس نے نماز کو ہلکا شمار کیا۔"

کافی و تہذیب میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: "شیطان مومن سے خوفزدہ ہوتا ہے جب تک کہ وہ نماز کی حفاظت کرتا ہے، نماز کو اہمیت دیتا ہے اور جب وہ نماز کو ضائع کرتا ہے تو شیطان کو اس پر جرأت پیدا ہوتی ہے اور شیطان اس کو گناہانِ بزرگ کا مرتکب کر دیتا ہے۔"

سید ابن طاؤس نے اپنی کتاب فلاح السائل کے شروع میں جناب سیدہ فاطمہ زہرا علیہا السلام سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اپنے پدر بزرگوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا: "جو شخص نماز کو ہلکا شمار کرے اس پر کون سا عذاب ہوگا؟"

آنحضرتؐ نے فرمایا: "جو شخص اپنی نماز کو خفیف جانے اللہ تعالیٰ اس کو پندرہ بلیات میں مبتلا کرے گا۔ ان میں سے چھ دنیا میں، تین وقتِ مرگ، تین قبر میں اور تین قیامت کے دن ہوں گی۔ جو چھ بلیات دنیا میں اس کو گھیریں گی ان میں یہ بھی شامل ہیں:

(ا) اس کی عمر و رزق سے برکت اٹھالی جائے گی۔

(ب) اس کی دو خوبصورت و عمدہ خوبیاں چھین لی جائیں گی۔

(ج) اس کے اعمالِ نیک کا اجر و ثواب نہیں ملے گا۔
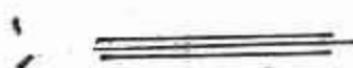
(د) اس کی دعا اور اس کے لئے دوسروں کی دعائیں قبول نہ ہوں گی۔

تین بلائیں جن میں وہ موت کے وقت مبتلا ہوگا یہ ہیں کہ وہ ذلیل و خوار و بھوکا پیاسا مرے گا۔ اگر دنیا کی تمام نہریں اس کو دے دی جائیں تب بھی سیراب نہ ہوگا۔

جن تین باتوں میں وہ قبر میں مبتلا ہوگا۔ وہ یہ ہیں کہ اس کی قبر تنگ و تاریک ہوگی، عذاب کے فرشتے اس پر مسلط ہوں گے کہ اس کو مصیبت و عذاب میں مبتلا رکھیں۔

وہ تین بلائیں جن میں وہ قیامت میں مبتلا ہوگا کہ فرشتہ اس کے عذاب کو اس کے سامنے زمین پر بھیجے گا، لوگ اس کو دیکھیں گے، اس کا حساب سخت ہوگا، اللہ تعالیٰ اپنی نظرِ الطاف اس کی طرف نہیں فرمائے گا، اس کو پاک و پاکیزہ نہیں کرے گا۔ اور اس کو عذابِ دردناک میں مبتلا کرے گا۔

علامہ کامل جو مرجع خاص و عام ہیں نے اپنے زمانہ میں حاج شیخ جعفر شوستری قدس سرہٗ کی کتاب منہج الرشاد کے صفحہ ۵ پر فرمایا ہے "جان لو کہ نماز کو سبک کرنے کی چند قسمیں ہیں۔ اوّل یہ کہ اُسے کچھ نہ سمجھے اور یہ باعثِ کفر ہے۔ دوسرے یہ کہ نماز کو ترک کرے تیسرے یہ کہ مسائل نماز کو درست نہ کرے اور ان کے صحیح و غلط ہونے کی پرواہ نہ کرے۔ چوتھے یہ کہ نماز صحیح اوقات میں نہ پڑھے۔ پانچویں یہ کہ اس کے ذمہ قضا نمازیں ہوں اور سالہاسال تک ان کی ادائیگی میں تاخیر کرے جو سستی و سہل انگاری میں شمار ہونے لگے"

فہرست